ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

۱۱۵۵

اتوار یکم ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ
مطابق ۶ - اکتوبر ۲۰۲۴ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

استقامت کا ایک سال

فلسطینی پرچم اور

تربوز

قیمت: ۴۰ روپے

القرآن

بندگی سے اعراض کا انجام

قیامت تو آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے اور تمھارے پروردگار نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دُعا کرو میں تمھاری دُعا قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے ازراہِ تکبر کنیاتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔
(سورۃ المؤمن، آیات 59، 60)

الحدیث

توفیقِ بندگی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر وبھلائی کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو اُس سے کام لے لیتے ہیں۔ ایک صحابیؓ رسول نے دریافت کیا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ اُس شخص سے کیسے کام لے لیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت سے پہلے اللہ تعالیٰ اُس کو عملِ صالح کی توفیق عنایت فرما دیتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

دستک

(قند مکرر)

دو کہانیاں

آیئے آج آپ کو ایک ہی زمانے کے دو الگ الگ خطوں میں رہنے والے دو آدمیوں کی سچی اور عبرت انگیز کہانیاں سناتے ہیں جنھیں پڑھ کر یقیناً آپ کا دل کانپ جائے گا۔ کانپنا چاہیے بھی بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ پڑھ کر ہم سب کو خوب زار و قطار رونا چاہیے۔

پہلی کہانی بلاد الحرمین سے تعلق رکھنے والے عبداللہ القصیمی کی ہے۔

عبداللہ کمال درجے کا داعی اور مبلغ اسلام تھا۔ حتیٰ کہ کہنے والوں نے اسے ابن تیمیہ دوم کا لقب دیا تھا۔ اُس کی اسلام اور نیشنلزم کے ٹکراؤ پر مشہور زمانہ کتاب ''الصراع بین الاسلام والوثنیہ'' اہل علم میں اتنی مقبول ہوئی تھی کہ مسجد الحرام کے امام نے اُس پر پورا قصیدہ پڑھا اور مشہور عالم دین صلاح المنجد نے یہاں تک لکھا ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر بعض اہل علم نے کہا تھا: قصیمی نے اس کتاب کو لکھ کر گویا کہ جنت کا مہر ادا کر دیا!

دوسری کہانی امریکا سے تعلق رکھنے والے ایک شخص جوزف اسٹس (Joseph Estes) کی ہے۔ انتہا درجے کا ایک متعصب عیسائی مسلمانوں پر طنز و تضحیک جس کا وطیرہ تھا۔ بیت اللہ کے حوالے سے نعوذ باللہ مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہتا تھا کہ بے وقوف مسلمان صحرا میں پڑے ایک سیاہ صندوق کی عبادت کرتے ہیں۔

اب اللہ رب العزت کی شان بے نیازی عجب رنگ میں ظاہر ہوئی۔

مبلغ اسلام قصیمی تکبر کا شکار ہو گیا۔ اپنی تعریفوں کے پل باندھنے لگا۔ کچھ بُرے کام بھی شروع کیے۔ آخر کبر اور بد عملی کی نحوست نے ایک دن رنگ دکھا ہی دیا۔ شقاوت غالب آئی اور آسمان نے یہ عبرت ناک منظر دیکھا کہ جسے ابن تیمیہ دوم کہا گیا، امام کعبہ نے جس کی شان میں قصیدہ پڑھا، جسے جنت کا مہر ادا کر دینے والا کہا گیا، وہ ملحد ہو کر مرتد ہو گیا۔

جس نے پہلے سات کتابیں دین اسلام کی حقانیت پر لکھی تھیں، اب اس نے نو کتابیں اسلام کے خلاف لکھیں۔ اُس میں ایک کتاب ھذہ ھی الاغلال (یہی وہ زنجیریں ہیں) بھی ہے، جس میں اُس نے نماز، روزہ اور دیگر عبادات کو گلے کے طوق کے ساتھ تشبیہ دی۔

1996ء میں قصیمی مر گیا۔

اب اللہ کا کرنا دیکھیے کہ اسی دور میں جب قصیمی راہ مستقیم چھوڑ کر گمراہی کو سینے سے لگا رہا تھا، وہ دوسرا شخص جوزف اسٹس اپنے خاندان سمیت اسلام کو سینے سے لگا رہا تھا۔

وہ جوزف سے یوسف ہوا اور اپنے آپ کو دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دیا!

اور پھر دنیا نے دیکھا کہ ایک متعصب اور گستاخ عیسائی، دنیا بھر میں اسلام کا ایسا داعی بنا کہ جس کے ہاتھ پر بلا مبالغہ ہزاروں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

جی قارئین! ان دونوں واقعات سے ہمیں کیا سبق ملا۔ یہی کہ کبھی بھی اپنے ایمان اور نیک اعمال پر مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ اپنے کسی بڑے سے بڑے عمل پر بھی غرور و تکبر تو دور کی بات کبھی فخر بھی نہ کرنا چاہیے۔ ہمیشہ ہر حال میں ڈرتے لرزتے رہنا چاہیے۔ کیوں کہ نجات کا دارومدار زندگی میں کیے گئے اعمال پر نہیں، موت کے وقت کی حالت پر ہے کہ خاتمہ ایمان پر ہوا یا خدانخواستہ بے ایمانی پر۔

یہ صرف دو کہانیاں نہیں، ایسے سیکڑوں عبرت ناک واقعات تاریخ کے صفحات میں درج ہیں۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے معروف نام کبر کی وجہ سے خدائی پکڑ میں آئے ہیں۔ خود ابلیس کے واقعے سے بڑا عبرت انگیز واقعہ کون سا ہوگا کہ فرشتوں کا معلم تکبر کی بنا پر مردود قرار دے کر ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ کر دیا گیا، سو ہم آپ بھلا کیا شے ہیں۔

تو دوستو! دعاؤں میں سب سے زیادہ مانگنے کی جو چیز ہے، وہ ایمان پر خاتمہ ہے اور بُرے اعمال میں جو سب سے زیادہ بچنے کا عمل ہے، وہ تکبر ہے۔ ہمیشہ خود کو ہر مسلمان سے بلکہ جانوروں سے بھی حقیر سمجھنا چاہیے۔ اللہ میاں ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما دیں، آمین!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

یومِ اُستاد

عالمی یوم اساتذہ دنیا کے کئی ممالک میں ''اساتذہ کا عالمی دن'' یا ''ورلڈ ٹیچرز ڈے'' ہر سال ۵/ اکتوبر کو منایا جاتا ہے۔ یوم اساتذہ منانے کا مقصد معاشرے میں اساتذہ کے اہم کردار کو اُجاگر کرنا ہے۔ اس دن کی مناسبت سے دنیا بھر میں کئی سیمینارز، کانفرنسیں اور تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

۲۰۰۹ء میں عالمی یوم اساتذہ کے حوالے سے یہ ہدف مقرر کیا گیا ہے کہ ۲۰۱۵ء تک دنیا بھر میں تعلیم کو عام کیا جائے گا اور بلند معیار تعلیم کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے گا۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں پیشہ ور اساتذہ کو ان کا جائز مقام ملے اور انھیں دورِ جدید میں نظامِ تعلیم میں ہونے والی تبدیلیوں سے وقتاً فوقتاً باخبر کیا جائے۔

مرسلہ: مریحہ طارق، راولپنڈی

دیے جلتے رہیں

تماضر ساجد۔ صادق آباد

جب سے غزہ میں جنگ چھڑی ہے، میں ایک عجیب سی بے چینی میں گھر گیا ہوں۔ شروع دنوں میں، مجھے بھی بہت جوش چڑھا تھا۔ میں نے بائیکاٹ کمپین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان دنوں ہمیں یونیورسٹی سے چھٹیاں تھیں۔ نیا سیمسٹر شروع ہوا تو ہمیں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگیا۔ ہماری واپسی شام کو جا کر ہوتی ہے، دوپہر کا کھانا یونیورسٹی میں ہی کھانا ہوتا ہے۔ پہلی مشکل یہ پیش آئی کہ اکثر اسٹوڈنٹ ڈیلز مشہور امریکی فوڈ ریسٹورنٹس کی ہی تھیں۔ مقامی اچھے ہوٹلوں کی ایسے کاموں کی طرف توجہ کم ہی ہوتی ہے۔

پھر نیا مہینہ شروع ہوا تو راشن خریدتے وقت دوسری مشکل سامنے آئی۔ ہوا کچھ یوں کہ اچھی کوالٹی کے سب سرف 'انھیں' کے تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے شہر سے کوئی اچھا برتن دھونے والا صابن ہی نہیں ملا۔

آہستہ آہستہ مجھے کمپین میں حصہ لیتے شرم آنے لگی۔ خود کچھ کر نہیں رہا تو دوسروں کو کیا نصیحت کروں۔ لاکھ گناہ گار سہی پر منافق تو نہیں ہوں۔ بس اتنا ہوا کہ میں نے غزہ سے آنے والی ویڈیوز دیکھنا چھوڑ دیں۔ جب ہم کچھ کر ہی نہیں سکتے تو خوامخواہ کی ٹینشن لینے کا کیا فائدہ؟ مسئلہ یہ ہوا کہ انہی دنوں ہمارے تایا جان ہمارے گھر میں رہنے کے لیے آ گئے۔ انھیں کچھ عرصہ یہیں رہنا تھا۔ ہماری ان کے ساتھ بہت بنتی ہے لیکن جنگ کے آغاز کے بعد سے انھیں نجانے کیا ہوگیا ہے۔ ہم باتیں کرنے بیٹھتے ہیں تو وہ یا تو گم صم ہوجاتے ہیں یا عجیب عجیب باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اب تو ہمارا دل چاہنے لگا ہے کہ وہ جلدی واپس جائیں تو ہماری جان چھوٹے۔

ابھی کل ہی کی بات ہے، میرا چھوٹا بھائی علی بال کٹوا کر آیا تو کہنے لگے:

''وہ بچہ بھی ایسے ہی بال سیٹ کروا کر آیا ہوگا۔''

''کون سا بچہ تایا جان؟'' علی نے اشتیاق سے پوچھا۔

''غزہ کا تھا بیٹا، کہتا تھا کہ شہید ہوں گا تو نئے اسٹائل میں تصویر بنے گی۔ میں نے تو اس کی شہادت کی خبر میں پڑھا تھا۔'' تایا جان آبدیدہ ہوگئے تو علی انھیں چپ کروانے لگا۔ میں کمرے سے اٹھ کر باہر آ گیا۔

آج میں نے حتمی بات کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا تبھی تایا جان آئے تو میں نے انھیں بٹھا لیا۔

''کیا بات ہے بیٹا؟''

''تایا جان دیکھیں آپ کتنے کمزور ہوگئے ہیں، کیوں اتنی ٹینشن لیتے ہیں جب کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ آپ کے ٹینشن لینے سے وہاں کے باسیوں کی بھوک تک نہیں مٹ سکتی۔''

میرا لہجہ تلخ ہوگیا تھا شاید۔

''کس نے کہا کچھ نہیں کرسکتا؟ بساط بھر کوششیں کرتو رہا ہوں۔ جتنی امداد بھجوا سکتا تھا، بھجوا دی، جتنے لوگوں کو مقامی اشیاء کے استعمال پر لگا سکتا تھا، لگا یا، اب یہ کوشش کررہا ہوں کہ کچھ کاروباری دوستوں کے ساتھ مل کر بائیکاٹ کرنے والوں کے لیے آسانیاں پیدا کرسکوں۔''

''اف تایا جان.....'' میں جی بھر کر بدمزہ ہوا۔

''بیٹا بات دراصل یہ ہے کہ ہم صرف کوشش کے مکلف ہیں، نتائج اللہ کے ذمے۔ باہر والے تو پھر کچھ سن لیتے ہیں مجھے تو دراصل تم لوگوں کی فکر ہے۔ تم لوگ ہماری اگلی نسل، ہمارا مستقبل۔'' میرے چہرے پر بے زاری دیکھ کر انھوں نے موبائل نکال لیا۔

''بیٹے میرے جیسے بوڑھوں کی نہیں سن سکتے تو چلو اپنے جیسے نوجوانوں کی سن لو۔ یہ دیکھو یہ معتز عزایرہ ہے، چوبیس برس کا صحافی۔ تم سے عمر میں کچھ ہی بڑا ہے۔ دن رات دنیا کو غزہ کے حالات سے باخبر کررہا ہے۔ تمھاری طرح اس کے بھی کچھ خواب ہوں گے ہی۔

ہم مسلمانوں کی نہیں سنتے تو ان غیر مسلموں کو دیکھو، یہ سڈنی ہے، یہ نیویارک۔ یہ سب کس کے خلاف احتجاج کررہے ہیں؟ انھیں اس سخت موسم میں کیا چیز گھروں سے باہر کھینچ لائی ہے؟''

''تایا جان آپ یہ سب کیوں کررہے ہیں؟'' میں واقعی یہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

''میں نے تو بس اتنا پڑھا ہے کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسجدِ اقصیٰ جا کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو وہاں کے دیوں کے لیے تیل بھجوا دو۔'' ان کی آواز ایک دَم بھرا گئی۔

''القدس کے نوجوان وہاں کے دیوں کو خون سے روشن رکھنے کی سعی کررہے ہیں۔ مجھے شرم آتی ہے جب تم لوگوں کو دیکھتا ہوں۔ تم دیے جلانے والے نہیں بنتے تو بجھانے والے بھی نہ بنو۔ میں سوچتا ہوں میرے پاس ہے ہی کیا جو ان کی نذر کروں۔ بس ایک آنسو ہی میرا کل اثاثہ ہیں سو وہی بہاتا ہوں کہ شاید ان کی برکت سے میرے نوجوان ان دیوں کی روشنی بڑھانے والوں کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوجائیں۔ بس بیٹا اس سے بڑھ کر تو کچھ نہیں چاہا۔''

تایا جان کے آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ میں مبہوت سا ان آنسوؤں کی چمک میں ننھے ننھے دیپ جلتے دیکھتا رہا۔

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

سرنگ والے سپاہی

عیشہ مریم

رات کا پچھلا پہر تھا۔ نگرانی پر مامور سپاہیوں کے علاوہ باقی سب سو چکے تھے۔ مسلمانوں کا فوجی لشکر دور سے دیکھنے پر چھوٹی سی بستی معلوم ہو رہا تھا۔ دور دور کہیں کوئی مشعل روشن تھی۔ سپہ سالار کا خیمہ بھی رات کے اس وقت روشن تھا۔ لشکر کا سالار اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھا۔ چالیس دن کے مسلسل محاصرے کے بعد فتح نصیب ہوئی تھی، شکر تو واجب تھا۔ اپنے رب سے سرگوشیاں کرتے سالار کی توجہ خادم نے سلام کے ذریعے اپنی طرف کروائی۔

''جناب! باہر ایک سپاہی آیا ہے۔ اس نے اپنا چہرہ نقاب سے چھپا رکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ سرنگ والے سپاہی کے بارے میں معلومات فراہم کر سکتا ہے۔''

''اسے اندر لے آؤ'' سالار نے فوراً اجازت دے دی۔ اس لمحے کا تو اسے تین دن سے انتظار تھا۔ وہ اس سپاہی سے بے تابی سے ملنا چاہتا تھا جس کے ذریعے اللہ نے انھیں فتح بخشنی تھی۔ معاملہ کچھ یوں تھا کہ مسلم افواج نے چالیس دن سے قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن کامیابی نہیں مل رہی تھی۔ ایسے میں قلعے کے اندر جانے کا ایک راستہ مسلمانوں کو معلوم ہوا جو ایک سرنگ سے ہو کر قلعے کے اندر پہنچتا تھا مگر سرنگ انتہائی تنگ اور تاریک تھی اور یہ منصوبہ بھی خطرناک تھا۔

ایک سپاہی نے اس سرنگ سے ہوتے ہوئے قلعے میں پہنچ کر مسلم فوج کے لیے صدر دروازہ کھول دیا۔ فتح ملنے کے بعد لشکر کے سالار نے اس سپاہی کو آگے آنے کے لیے کہا مگر کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔ سپہ سالار کا فرض تھا کہ وہ اس بہادر سپاہی کا اکرام کرے اور اسے انعام سے نوازے مگر دو دن مسلسل اعلان کے باوجود کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ مجبور ہو کر یہ اعلان کروایا گیا کہ سرنگ والا سپاہی جس وقت چاہے سپہ سالار سے ملاقات کرنے آ سکتا ہے۔ اس اعلان کے بعد رات کے اس اندھیرے میں کوئی اس روشن کردار سپاہی تک پہنچنے کا پیغام لے کر آیا تھا تو اسے انکار کیسے کیا جا سکتا تھا۔

خادم کے ساتھ وہ نقاب پوش خیمے میں داخل ہو چکا تھا۔ اس نے عرض کیا:

''سرنگ والے سپاہی نے آپ سے ملنے کی تین شرائط رکھی ہیں۔ ایک اس سے اس کا نام نہیں پوچھا جائے گا اور نہ اس کا ذکر خلیفۃ المسلمین کے سامنے کیا جائے گا۔ دوسرا اس سے اس کا قبیلے نہیں پوچھا جائے گا اور تیسرا اس کو کوئی انعام نہیں دیا جائے گا۔''

سپہ سالار نے تینوں شرائط مان لیں تو اس شخص نے کہا:

''سرنگ والا سپاہی میں ہوں۔'' اور چلا گیا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد سے سپہ سالار کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر نماز کے بعد بلند آواز میں یہ دعا کرتے تھے:

''اے اللہ! میرا حشر سرنگ والے سپاہی کے ساتھ فرما۔ اے اللہ اپنے گم نام بندے کو اپنی بہشت میں جگہ دے کر اس کا شایانِ شان اکرام فرما۔'' آمین

(’عیون الاخبار‘ امام ابن قتیبہ)

☆☆

کسی نے اسے جگایا تھا۔ اس نے مشکل سے آنکھیں کھول کر آنے والے کو پہچاننے کی کوشش کی۔ ''ابواحمد؟ تم ہو؟''

''ہاں عمر میں ہوں۔ اُٹھو فجر کا وقت ہونے والا ہے۔ سحری کر لو۔'' ابواحمد نے اسے سہارا دے کر بٹھایا۔ بھوک پیاس کی شدت کی وجہ سے بیٹھنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ ابواحمد نے دو گھونٹ پانی کے پلائے تو اس کے حواس کچھ بحال ہوئے۔

''باہر نکلنے کا کوئی راستہ ملا؟'' اس نے ساتھ بیٹھے خالد سے پوچھا۔

''نہیں۔'' خالد سر جھکائے بولا۔

''ہم دوبارہ کوشش کریں گے ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی راستہ مل جائے گا۔''

یاسر نے چادر ان سب کے درمیان بچھاتے ہوئے یقین سے کہا۔

ابواحمد نے ہاتھ میں پکڑا تھیلا چادر پر الٹ دیا۔ چند کھجوریں چادر پر بکھر گئیں۔ وہ غور سے کھجوروں کی تعداد کا اندازہ لگا رہا تھا۔ ''بیس''

''نہیں بائیس۔ ہاں پوری بائیس کھجوریں تھیں۔ بائیس!!''

اس کے ساتھیوں کی تعداد بھی بائیس ہی تھی۔ سوچتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، سامنے کا منظر دھندلا گیا۔ ہاتھ سے آنسو صاف کیے تو منظر بدل چکا تھا۔ وہ ایک سرنگ میں

سنت کہانی (اوّل-دوم)

اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور جنت کے حصول کے لیے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی سنت مبارکہ بلاشبہ کامل ترین.... خوب صورت ترین.... اور آسان ترین راستہ ہے۔

- بچوں میں نبی کریم ﷺ سے سچی محبت اور سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہو گا۔
- مدارس، مکاتب اور اسکولوں کے طلبہ و طالبات کے لیے قیمتی تحفہ
- اسلامیات کے دورانیے میں شامل کرنے کے لیے بطور معاون کتاب
- بچوں اور بچیوں کے لیے اچھوتے.... اور آسان انداز میں لکھی گئی... نصیحت آموز کہانیاں.... دیدہ زیب کتابی شکل میں

رعایتی قیمت 740/-
عام قیمت 890/-

خود بھی مطالعہ کیجیے اور متعلقین کو تحفے میں دے کر کتاب دوست بنائیے۔

بیت العلم (الوقف)
رابطہ نمبر: +92-309-2228078-81-82-84-89-94
گھر پر منگوانے کے لیے
برائے تجاویز: +92-322-2583196
www.mbi.com.pk maktababaitulilm

بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے الجزیرہ کا صحافی اور بائیں طرف کیمرہ مین تھا۔

''آپ کتنے لوگ تھے یہاں اور کیسے محصور ہوئے؟'' پہلا سوال آیا۔

''ہم 28 لوگ تھے یہاں جب اسرائیلی بمباری سے سرنگوں کا بڑا حصہ بیٹھ گیا۔ باہر جانے کا ہر راستہ بند ہو گیا اور ہم یہاں پھنس گئے۔''

''آپ کتنے دن محصور رہے؟''

''ہم بائیس دن محصور رہے۔'' عمراب سنبھل چکا تھا۔

''بائیس دن بغیر اشیائے ضروریہ کے آپ لوگ کیسے رہے؟ کیا آپ کا کوئی ساتھی ان دنوں میں شہید ہوا؟''

''جی! ہمارے چھے (6) ساتھی شہید ہوئے بروقت علاج نہ ملنے کی وجہ سے۔ آہستہ آہستہ ہمارے پاس موجود سامان بھی ختم ہو گیا تھا۔ نوبت روزے رکھنے کی آ گئی۔ ایک ایک سپاہی کے پاس صرف ایک ایک کھجور تھی جو وہ آدھی سحری میں اور آدھی افطار میں کھاتا تھا۔''

''اور یہ چشمہ!!؟؟'' صحافی نے زمین سے اُبلتے ننھے چشمے کی طرف اشارہ کیا۔

''ہم نے ابتدا میں باہر نکلنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ آہستہ آہستہ بھوک پیاس کی شدت سے کسی میں طاقت نہیں رہی کہ وہ اس مہم پر بار بار نکلے۔ ایسے میں ایک ساتھی ہمت کر کے دوبارہ راستہ تلاش کرنے نکلا مگر کچھ دیر بعد چشمہ ابل رہا تھا۔ اب ہمارے پاس پینے کے لیے وافر پانی ہے الحمدللہ، ہم اسے فلٹر پیپر (filter Paper) سے گزار کر پینے کے لیے محفوظ کر لیتے ہیں۔''

کیمرہ مین نے کیمرہ چشمے کے پاس موجود دو نقاب پوش سپاہیوں پر مرکوز کر دیا جو فلٹر پیپر سے گزار کر پانی کو پلاسٹک کی بوتلوں میں محفوظ کر رہے تھے۔

زمین سے نکلتا مٹیالا پانی اردگرد کی زمین کو سیراب کر رہا تھا۔ شاید ایسا ہی ہو گا جاہِ زم زم جب وہ پھوٹا تھا۔ یا پھر اس سے بھی زیادہ اونچا اور شفاف۔ جیسے زَم زَم کے چشمے نے عربوں کی روحوں تک کو تازگی بخشی۔ جیسے عقبہ بن نافعؓ کے لیے پھوٹ پڑنے والے چشمے سے پورے لشکر کو نئی زندگی ملی تھی اور پھر پورے افریقا کو ایمانی و شادابی نصیب ہوئی تھی ویسے ہی یہ چشمہ بھی سرنگ والے سپاہیوں کو سیراب کر رہا ہے۔ انہی کی یہ شان ہے کہ ان کے لیے چشمے پھوٹیں۔ جنھوں نے سرنگوں سے ہوتے ہوئے ایمان کا صدر دروازہ اندر سے کھول کر پوری دنیا کو اسلام کے قلعے میں آنے کی دعوت دی ہے۔ بھولی ہوئی مسجد اقصیٰ یاد کروا دی۔

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

ایسے لوگ ہی درحقیقت اصل چراغ ہیں جن سے اقصیٰ کی روشنی سلامت ہے۔ ایسے چراغوں کے لیے دعاؤں کا ایندھن کم نہ پڑنے دیں۔ تاکہ کسی نسبت سے تو ہم بھی یہ دعا کر سکیں۔ ''اللہ ہمارا حشر بھی ان سرنگ والے سپاہیوں کے ساتھ کرنا۔''

ہمّت کا پہاڑ ۳۳

راوی: سیہان انعام اللہ خان مرحوم

تحریر: رشید احمد منیب

دشمن ملک کے انچارج نے ہمیں ایک رات کا موقع اس لیے دیا تھا تا کہ ہم میں سے کوئی اپنی جان بچانے کے لیے اسے سچ بتادے لیکن ہم سب ہی خاموش رہے۔ دو، چار نے تو رونے جیسی شکلیں بنا کر کہا کہ ہم اسمگلر ہی ہیں۔ آپ ہمارے بارے میں معلومات کروالیں۔ یہاں وہاں کے اسمگلروں سے پوچھ لیں۔ آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ ہمارا بہت بڑا گروپ ہے۔ یہ سب باتیں ہوتی رہیں لیکن میں نے نوجوانوں کو خاموشی سے اشارہ کردیا کہ آج رات ہی یہاں سے نکلنا ہے۔ زندگی رہی تو بچ کر اپنے ملک میں داخل ہوجائیں گے ،ورنہ شہید ہوجائیں گے۔ کیوں کہ مجھے انچارج کے ارادے ٹھیک دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ جب ہمیں کوٹھریوں میں ڈالا جا رہا تھا تو میں نے اشاروں میں اپنے دوستوں کو پلان سمجھا دیا۔ نشاط صاحب راضی نہیں تھے۔ وہ کہنے لگے یار! ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی ۔تم مجھے مروانے کے چکر میں ہو۔ ہم اپنی حقیقت بتا دیتے ہیں، یہ لوگ ہماری گرفتاری ظاہر کردیں گے تو ہمارا ملک ہمیں بین الاقوامی قانون یا کسی بھی سفارتی طریقے سے ہمیں چھڑوالے گا۔ ہم نے ان کے ملک میں کوئی غیر قانونی کام تو کیا نہیں۔

وہ کوٹھریاں اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھیں لیکن تعمیر ناقص تھی۔ کئی جگہ سے دیواریں کمزور تھیں۔ ان دیواروں کو میں پہلے ہی چیک کر چکا تھا۔ میں نے دروازے کی سلاخیں نکال لیں ۔ کچھ لڑکے وہاں سے باہر نکلے اور انھوں نے پہرے داروں کو قابو کرلیا۔ میں نے کوٹھری کی دیوار کے کمزور حصے کو تین چار لاتیں مار کر اتنا توڑ دیا کہ ہم وہاں سے نکل سکتے تھے۔ مجھے سب سے زیادہ نشاط صاحب کی فکر تھی۔ مجھے اپنی زندگی بھی بچانی تھی اور باقی لڑکوں کی بھی۔ ساتھ ہی نشاط صاحب کو بھی نکالنا تھا۔ میں نشاط صاحب کو لے کر اس جیل نما احاطے کی پچھلی دیوار کی جانب بھگایا۔ لڑکوں نے اگلے چند پہرے داروں کو قابو کر کے گیٹ کی طرف حملہ کردیا۔ جس کا جس طرف منہ ہوا وہ بھاگ کر نکل گیا۔ ہم بیس لڑکوں کے علاوہ وہاں کچھ اور لوگ بھی کوٹھریوں میں موجود تھے جو کسی وجہ سے پکڑے گئے تھے۔ معلوم نہیں، وہ نکل سکے یا نہیں لیکن ہمارے سب لڑکے نکل آئے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ چار لڑکے دوسروں کو نکالتے ہوئے شہید ہو گئے تھے جبکہ چار کو راستے میں شہید کر دیا گیا تھا۔ بارہ جوان واپس پہنچ سکے تھے۔ میں نے احاطے کی پچھلی دیوار میں بھی نقب لگائی۔ وہ دیوار ویسے ہی کمزور تھی۔ میں تنہا ہوتا تو شاید لڑائی میں شریک ہوجاتا لیکن نشاط صاحب کو نکالنا سب سے اہم کام تھا۔ ہم جس طرح خالی ہاتھ دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے اس کے بعد اسمگلروں والا کوئی بہانہ نہیں چل سکتا تھا۔ اب لڑنا تھا، شہید ہونا تھا یا واپس اپنے ملک پہنچنا تھا۔ یہ بات سب ہی سمجھتے تھے کہ دوبارہ زندہ حالت میں دشمن کے ہاتھ نہیں آنا۔

میں نشاط صاحب کو لے کر اندھیرے میں رینگتا ہوا قریب کے کھیت میں داخل ہوگیا۔ کھیتوں میں چلنا آسان کام نہیں ہوتا لیکن مارشل آرٹ کی سخت تربیت میرے کام آرہی تھی۔ ساری رات چلنا یا دوڑنا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔ کھیتوں کے راستے میں کتوں کا بہت خطرہ تھا۔ میں دعائیں پڑھتا رہا کہ کتے مجھ پر نہ بھونکیں ورنہ دشمن کو اندازہ ہوجائے گا کہ کسی جگہ سے اجنبی لوگ گزر رہے ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس راستے میں کتے نہیں ملے۔

میں نشاط صاحب کو لے کر صحرا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس جگہ ہم موجود تھے وہاں سے پاکستان کی سرحد تک پچیس، تیس کلومیٹر کا نیم صحرائی علاقہ تھا لیکن مجھے یہ خطرہ تھا کہ اس طرف ناکہ بندی کافی سخت ہوگی۔ میں نے وہ راستہ چُنا جو بڑے صحرا کی طرف جا رہا تھا۔ یہ حصہ تقریباً سو کلومیٹر تک پھیلا ہوا تھا۔ رات میں سفر کا اندازہ ستاروں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ نشاط صاحب کو اس میں مہارت تھی۔ وہ مجھے بتاتے رہے کہ اس طرف چلنا ہوگا۔ چلتے چلتے نشاط صاحب کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ بس میں مزید نہیں چل سکتا۔ تم مجھے چھوڑ دو اور خود نکل جاؤ۔ میں زندہ رہا تو کسی نہ کسی طرح آ ہی جاؤں گا لیکن میں دشمن کو گرفتاری نہیں دوں گا۔ میں نے ان کی ہمت بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ واقعی بہت تھک گئے تھے۔ ابھی تو ہم نے ایک چوتھائی سفر کیا تھا۔ آرام نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ ہمیں رات کے اندھیرے میں صحرا کے اندر تک جانا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نشاط صاحب تو ہمت ہار گئے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ اب کچھ اور کرنا پڑے گا۔

میں نے نشاط صاحب کو ایک درمیانی طاقت کا پنچ مارا۔ ان کے ہوش وحواس رخصت ہوگئے۔ اب انھیں کندھے پر لادا اور ریگستان کی جانب دوڑ لگادی۔ یہ شکر ہے کہ نشاط صاحب ہلکے بدن کے آدمی تھے۔ اُنھیں اٹھا کر دوڑنے میں زیادہ مشکل نہیں ہوئی۔ جب کچھ تھکاوٹ محسوس ہوتی تو انھیں اتار دیتا۔ کچھ دیر سانس لیتا پھر انھیں اٹھا کر دوڑ لگا دیتا۔ ریگستان میں داخل ہونے سے پہلے ایک جگہ پانی مل گیا۔ وہاں نشاط صاحب کو اتارا۔ وہ ہوش میں آ چکے تھے لیکن اب میرے خوف کی وجہ سے بول نہیں رہے تھے۔ ان سے معافی مانگی۔ اس وقت تک صبح صادق شروع ہونے والی تھی۔ میں نے یہ کہا پانی پی لیں۔ کچھ ہمت سے کام لیں۔ جہاں آپ بہت تھک جائیں گے میں آپ کو اُٹھا لوں گا۔ اب یہاں سے صحرا شروع ہورہا ہے۔ ہمیں سو کلومیٹر چلنا ہے۔ اس کے بعد ہم اپنے ملک میں داخل ہوجائیں گے۔ وہ کہنے لگے کہ پانی پی کر میں مزید دس، بارہ کلومیٹر چل لوں گا لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ میں نے کہا کہ اللہ مالک ہے۔ گرمی کا موسم نہیں ہے۔ ان شاء اللہ دو، تین دن میں ریگستان سے نکل جائیں گے۔ راستے میں کچھ نخلستان بھی ہیں۔ وہاں سے بھی ہمیں مدد مل جائے گی۔ خیر انھوں نے ہمت کی اور ہم ریگستان میں داخل ہوگئے۔ مجھے یقین تھا کہ سورج نکلنے سے پہلے پہلے اگر ہم دس، پندرہ کلومیٹر اندر تک چلے گئے تو پھر دشمن ہمیں نہیں ڈھونڈ سکے گا۔ ہم مسلسل چلتے رہے۔ نشاط صاحب نے ستاروں کی مدد سے راستے کا تعین کرلیا تھا۔ صحرا میں سفر بہت مشکل کام ہے۔ راستہ نہیں ملتا۔ انسان کو سمت معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن ہمیں سمت کا اندازہ تھا۔ یہ صحرا مکمل غیر آباد بھی نہیں تھا۔ کہیں، کہیں کچھ قبائل رہتے تھے۔ ان قبائل سے مدد مل سکتی تھی اور خطرہ بھی ہوسکتا تھا لیکن ان کی زبان میں سمجھتا تھا اور نشاط صاحب تو بول بھی سکتے تھے اس لیے میرا منصوبہ یہی تھا کہ آگے جا کر کوئی قبیلہ مل گیا تو ان سے اونٹ حاصل کرلیں گے اور اس کے بدلے میں انھیں کوئی ایسی نشانی دیں گے جس کی مدد سے وہ اونٹ کے پیسے اور مزید کچھ چیزیں لے لیں گے۔

یہ کافی مشکل سفر تھا لیکن اللہ پاک کی مدد سے آسان ہوگیا۔ تیس، پینتیس کلومیٹر چلنے کے بعد ہمیں ایک نخلستان مل گیا۔ وہاں ایک قبیلہ موجود تھا۔ ہم نے وہاں ایک آدمی سے گپ شپ لگائی۔ اس نے کہا کہ آپ کو سرحد پار کرنے کے لیے میں اونٹ دے دوں گا

حیرت انگیز آفر!
50% OFF
محمد فیصل شہزاد کی تمام کتابیں آدھی قیمت پر
خوبصورت کتب پر مشتمل کتاب نگر میں خوش آمدید!
گھر بیٹھے معیاری اور بہترین کتابوں کی خریداری کے لیے ابھی ہماری ویب سائٹ "کتاب نگر" وزٹ کیجیے اور حاصل کریں بے شمار کتابیں وہ بھی حیرت انگیز ڈسکاؤنٹ پر۔
ہزاروں کتابیں ایک کلک پر
ہم نے آباد کیا ہے آپ کے لیے
کتابوں کا ایک نیا جہاں
ہماری ویب سائٹ پر آرڈر کرنے کا طریقہ:
نوٹ: یہ آفر محدود مدت کے لیے ہے۔
محمد فیصل شہزاد کی تمام کتابیں آرڈر کرنے کے لیے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے دائیں طرف Categories پر کلک کریں اور پھر Faisal Shahzad Books پر کلک کریں، اپنی مطلوبہ کتابوں کے ٹائٹل کے نیچے "ADD TO CART" کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، دائیں جانب بنے باسکٹ کے نشان کے اوپر آپ اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لیے اس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈیلیوری چارجز دیکھ کر "CHECKOUT" کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے "Place Order" پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل پانچ سے سات دن تک ڈیلور ہو جائے گا۔ شکریہ
ویب سائٹ: www.kitaabnagar.com

لیکن آپ اس کی ادائیگی کیسے کریں گے؟ میں نے پوچھا کہ کون سے ملک کی کرنسی چلے گی؟ اس نے کہا کسی بھی ملک کی ہو چل جائے گی۔ میں نے اسے ایک چمڑے کا ٹکڑا دیا اور کہا کہ تم جب بھی سرحد پر جاؤ تو وہاں یہ ٹکڑا دکھانا۔ نشاط صاحب کا نام بتانا اور کہنا کہ ان دونوں میں سے کسی بھی ایک بندے سے رابطہ کروا دیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمھیں اس اونٹ کے ساتھ تین اونٹوں کی قیمت اور کچھ مراعات مل جائیں گی۔ وہ راضی ہو گیا۔ یہ قبائل سرحد کے دونوں آتے جاتے رہتے تھے اور انھیں اسمگلنگ وغیرہ کے دھندوں سے کافی دولت حاصل ہو جاتی تھی جو یہ لوگ شراب، جوئے اور دیگر الٹے سیدھے کاموں میں اُڑاتے رہتے تھے۔

ہمیں اونٹ مل گیا۔ میں نے گزری میں سندھیوں اور بلوچوں سے اونٹ چلانا سیکھا ہوا تھا۔ وہ چیز یہاں کام آ گئی۔ کچھ کھانے، پینے کا سامان بھی ساتھ لے لیا تھا۔ اس طرح باقی سفر آسانی سے طے ہو گیا۔ یوں میں کچھ دن کی گرفتاری کے بعد واپس اپنے ملک پہنچ گیا لیکن یہ سارا قصہ ہم نے پوشیدہ رکھا تھا کہ ہمارے بارے میں درست اطلاعات دشمنوں تک نہ پہنچ جائیں۔ بہت سے لوگ پاک فوج کے بارے میں اُلٹی اُلٹی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ جب میں یہ باتیں سنتا ہوں تو مجھے حیرت بھی ہوتی ہے اور غصہ بھی آتا ہے کہ انھیں اندازہ ہی نہیں کہ فوج اس ملک کے لیے کس طرح کام کر رہی ہے۔ مسائل ہر جگہ پیش آتے ہیں۔ ہمیشہ اپنوں کے ساتھ بنا کر رکھنی پڑتی ہے۔ ہمت اور حوصلے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ ہمارے دشمن بہت ہیں۔ ہمیں آپس میں دشمنی نہیں کرنی چاہیے۔

جب ہم واپس پہنچ گئے تو ہمیں کافی شاباشی ملی۔ نشاط صاحب نے رپورٹ لکھی۔ اس میں انھوں نے میری کارکردگی بتائی، لیکن انھوں نے یہ بھی لکھ دیا کہ اس بندے نے میری بات نہیں مانی۔ اگر یہ بات مان لیتا تو شاید تمام لوگ زندہ سلامت واپس لوٹ آتے۔ اس نے دشمن کے تین بندوں کو کسی وجہ کے بغیر قتل کیا جس کی وجہ سے معاملات خراب ہو گئے۔ معلوم نہیں اس پر اعلیٰ سطح پر کیا سوچا گیا ہو لیکن مجھ سے کوئی پوچھ تاچھ نہیں ہوئی۔ بس کچھ عرصہ بعد مجھے خاموشی کے ساتھ سعودی عرب بھیج دیا گیا جہاں میں تقریباً چار سال رہا۔ یہ بات کافی عرصے بعد معلوم ہوئی کہ دشمن ملک کے انچارج نے تصویر کے ذریعے اپنے افسران کو میری نشان دہی کر دی تھی اور میری تصاویر کچھ مقامات پر آویزاں کر رکھی تھیں۔

اس واقعے کے تقریباً سات، آٹھ سال بعد کی بات ہے۔ میں منہ اندھیرے اپنے گھر سے ساحلِ سمندر تک صبح کی دوڑ لگاتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک میرے قریب سے ایک کار گزری اور پھر آگے جا کر رک گئی۔ میں سمجھ گیا کہ کسی نے مجھے پہچان کر کار روکی ہے۔ اب معلوم نہیں، دوست ہے یا دشمن۔ میں ہوشیار ہو گیا۔ اتنے میں کار کے اندر سے کسی نے پنجابی میں کہا، اوئے حملہ نہ کریں، میں تیرا پرانا یار آں۔ آواز جانی پہچانی لگی۔ اتنے میں ایک موٹا تازہ بندا ہنستا ہوا کار سے نکل آیا۔ اس نے میرے لیے اپنے دونوں بازو پھیلائے ہوئے تھے۔ میں نے پہچان لیا۔ وہ نشاط صاحب تھے۔

کار کے اندر ان کی بیگم اور دو بچے بھی موجود تھے۔ میں جا کر ان سے ملا۔ ان کی ترقی ہو چکی تھی۔ اب وہ بڑے افسر تھے۔ لیکن میرے ساتھ دوستوں کی طرح مل رہے تھے۔ مجھے گلے سے لگا کر چیخے۔ دیکھو بیگم! یہ ہے وہ بندہ جس کی وجہ سے آج میں زندہ ہوں۔ ان کی بیگم بھی کار سے نکل آئیں اور بہت تشکر کے ساتھ مجھے سلام کیا۔ میں نے کہا کہ بھابھی جی، مجھے معلوم نہیں ان صاحب کے زندہ رہنے پر آپ کو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے یا نہیں لیکن آپ کے شوہر صاحب بس زبان سے شکریہ ادا کر رہے ہیں، ان کے دل میں کچھ اور ہے۔ نشاط صاحب کی بیگم نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا، انھوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہنے لگے، او یار! تم میری بیگم کو تو میرے خلاف پٹی نہ پڑھاؤ۔ تمھیں رپورٹ پتا چل گئی ہو گی، یار مجھے کچھ تو لکھنا تھا، لیکن سچی بات یہ ہے کہ تم بڑے خطرناک آدمی ہو۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنی بیگم صاحبہ سے کہا، دیکھو بیگم! یہ اس عمر میں بھی دوڑ لگا رہا ہے تو خطرناک آدمی ہی ہوا ناں! ان کی بیگم مجھے مخاطب کر کے بولیں کہ آپ اپنے دوست کو بھی سمجھائیے کہ یہ بھی کچھ دوڑ وغیرہ لگایا کریں۔ موٹے ہوتے جا رہے ہیں۔ اب میں ان کی بیگم کو کیا بتاتا کہ آپ کے شوہر صاحب سے تو اس وقت بھی نہیں دوڑا جا رہا تھا جب موت سر پر سوار تھی۔ اب بیگم کے کہنے پر وہ کیا دوڑ لگاتے۔ میں نشاط صاحب سے گلے ملا اور وہ رخصت ہو گئے۔ میں دوڑتا ہوا ساحلِ سمندر کی طرف چلا گیا۔

جاری ہے

☆☆☆

چلتی پھرتی نیکی

مریم ظاہر عبدالعلیم
(خانیوال)

وہ پریشان حال اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ فکر اس کی پیشانی پر عیاں تھی۔ کندھے پر لگے سافے سے وہ بار بار پسینہ پونچھ رہا تھا۔ یہ پسینہ نہ جانے آگ برساتے سورج کی حدت کا تھا یا خالی ہاتھ گھر جانے کی ندامت کا۔ یا پھر اپنے بچوں کی آنکھوں میں اُمید کے روشن دیے بجھ جانے کے خوف کا!! وہ جیسے ہی کسی جانور کی قیمت معلوم کرتا، اس کی اُمید دَم توڑ جاتی۔ وہ بار بار جیب میں رکھے رومال کو تھپتھپا کر اس کی موجودگی کی یقین دہانی کر رہا تھا جس میں معمولی سی رقم لپٹی ہوئی تھی۔ وہ جس بھی جانور کے مالک کے پاس جاتا اس سے بات کرنے سے پہلے وہ ایسا ہی کیا کرتا۔ اسے احساس تھا کہ اتنی کم رقم سے وہ جانور ہرگز نہیں خرید سکے گا، مگر پھر بھی وہ مویشی منڈی میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ آگ برساتا سورج، گرمی کی شدت، عوام کی دھکم پیل، ہر چہرے پر رقم پریشانی کی الگ داستان، حبس زدہ ماحول، منڈی میں پھیلی عجیب سی بو چاچا مقصود کی پریشانی میں اضافے کا باعث بن رہی تھی۔

چاچا مقصود ایک دیہاڑی دار مزدور تھا۔ پانچ افراد پر مشتمل کنبے کا وہ واحد کفیل تھا۔ تینوں بچوں کو چاچا نے نہایت شوق سے اسکول میں ڈالا کہ بڑے ہو کر افسر بنیں گے اور اس کی طرح محنت مزدوری کی بجائے آسائشوں والی زندگی گزار سکیں۔ اس ہوش ربا مہنگائی میں گھر کے اخراجات اور پھر بچوں کی تعلیم کے اخراجات چاچا کس طرح پورے کرتا تھا وہ خود ہی جانتا تھا۔ کبھی کبھار چاچا کا عزم ڈگمگانے لگ جاتا کہ بچوں کو سکول سے اٹھا کر کسی دکان میں بطور چھوٹو بٹھا دے، چلو چار پیسے ہاتھ آئیں تو اسے بھی کچھ آسرا ہو جائے، مگر بچوں کو بڑا آدمی بنانے کا عزم اسے دھوپ میں بھی مزدوری پر مجبور کر دیتا تھا۔ آج بھی وہ بچوں کی فرمائش بلکہ ضد پر مویشی منڈی آ گیا۔ کچھ سلیقہ شعار زوجہ کی پس انداز کی ہوئی رقم اور کچھ قربانی کا جذبہ بھی اسے یہاں کھینچ لایا مگر جانوروں کی آسمان سے باتیں کرتی قیمتیں اسے خالی ہاتھ گھر جانے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ شام ہونے کو آئی تھی اور کچھ ہی دیر میں سورج غروب ہوا چاہتا تھا مگر چاچا کو ابھی تک ان کے بجٹ کا کوئی جانور نہ مل سکا۔ عید میں ایک ہی دن باقی تھا۔ چاچا مقصود صافے سے پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے منڈی سے باہر آ گیا۔ باہر آتے ہی انھوں نے ایک آہ آسمان کے سپرد کی اور ڈھلکتے کندھوں اور دھیمی چال سے چلتے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔

☆☆

نہایت تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ سکون کا کوئی کونہ اسے نصیب نہیں۔ وہ اس بھری دنیا سے کہیں دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اضطراب اس کے چہرے پر عیاں تھا۔ اب وہ شہر سے دور نکل آیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ دھیمی رفتار پر آ گیا۔ بھاگتے دوڑتے مناظر اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہے تھے مگر اس کی آنکھوں کی بے چینی کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اچانک اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روکی اور آنکھیں موند کر فطرت کی لطافت کو محسوس کرنے لگا۔ اسے رگ و پے میں سکون اترتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے باوجود کوئی تشنگی تھی جو اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ اچانک اس نے آنکھیں کھولیں اور گاڑی سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ تھوڑا آگے جا کر اس نے پھر گاڑی روک دی اور نیچے اتر آیا۔ وہ ایک درخت کے نیچے پڑے لکڑی کے بینچ پر بیٹھ گیا اور سر پیچھے لگا کر آسمان کو دیکھنے لگا۔ اُڑتے پرندوں کی ڈار اس کی آنکھوں کو نہایت بھلی محسوس ہوئی۔ اس کے لب ذرا سے مسکرائے اور نظریں آسمان کی وسعتوں کو کھوجنے لگیں۔ پھر ان آنکھوں نے ڈوبتے سورج کا منظر دیکھا۔ آسمان پیلاہٹ سے نیلاہٹ میں بدلنے لگا۔ مگر اس کی بے چینی تھی کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے کسی کی تلاش ہے یا وہ کسی انتظار میں ہے۔

اسے اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ ایک ادھیڑ عمر شخص ملگجے کپڑوں میں ملبوس کندھے پر ڈالے پریشان حال چہرہ لیے اس کے برابر میں براجمان تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور نوجوان بے اختیار مسکرا دیا۔ اجنبی شخص کو یوں اپنائیت سے مسکراتے دیکھ کر ادھیڑ عمر شخص بوکھلا سا گیا۔

''منڈی آیا تھا جانور خرید نے مگر قیمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ گنجائش نہیں ہوئی جانور لینے کی۔ ان شاء اللہ اگلے سال سہی۔''

ادھیڑ عمر شخص جلدی جلدی بول گیا۔ تو جوان کی مسکراہٹ سے اس نے قیاس کیا کہ شاید اسے اس کی پریشانی معلوم ہو گئی ہے اس لیے وہ خود ہی اپنی پریشانی کی وضاحت کرنے لگا۔

نوجوان نے ایک بار پھر مسکراتے ہوئے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

''چلتے چلتے تھک گیا تھا اس لیے تھوڑی دیر سانس لینے کو بیٹھا ہوں۔''

چاچا مقصود کو شاید بولنے کی عادت تھی۔ نوجوان بھی ان کی چلتی زبان سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اٹلانٹس پبلکیشنز | ویب سائٹ سے آرڈر کا طریقہ www.atlantispublications.com.pk

اشتیاق احمد کے اوریجنل ناولوں کے اوّلین ایڈیشن جدید، دیدہ زیب، خوبصورت، اعلیٰ معیاری طباعت میں اٹلانٹس پبلی کیشنز سے شائع ہوتے ہیں

اشتیاق احمد کے ناول اور دیگر کتابیں آرڈر کرنے کے لئے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے اوپر BOOK SHELF پر کلک کریں اور پھر اپنی پسند کی کیٹگری پر کلک کریں، اپنی مطلوبہ کتاب کے ٹائٹل کے ساتھ ADD TO CART کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، آپ اوپر دائیں کونے پر باسکٹ کے نشان پر اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لئے اس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈلیوری چارجز دیکھ کر CHECKOUT کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے NEXT پر کلک کریں۔ ادائیگی کے طریقوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے PLACE ORDER پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل تین سے سات روز میں ڈلیور ہو جائے گا۔ واٹس ایپ میسج 0348-2568546 | فون 021-35050786, 0300-2472238

آپ اپنے پسندیدہ ناول facebook.com/InspectorJamshed اور facebook.com/atlantispublications سے بھی آرڈر کر سکتے ہیں۔

ناولوں کے پہلے ایڈیشنز کے نئے پرنٹ، اوریجنل سرورق، اشتہارات اور بچوں کے خطوط کے ساتھ

’’شہر سے آئے ہو؟‘‘ پہلا سوال ہوا۔

نوجوان نے مسکراتے ہوئے فقط سر ہلا کر جواب دیا۔

’’لگتا ہے گونگا ہے۔‘‘ چاچا مقصود منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔ ’’اچھا!! لگتے تو شہری ہو۔‘‘ چاچا نے اندازہ لگایا۔

’’چلو میں چلتا ہوں۔‘‘ چاچا صافہ جھاڑ کر کندھے پر ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک بار پھر جیب تھپتھپا کر رومال کی موجودگی کی یقین دہانی کی اور چل پڑا۔ سوچوں کی مکڑیاں پھر سے جال بنے لگیں اور چاچا ان جالوں میں اٹھنے لگا۔

ابھی اسے چلتے چلتے دس پندرہ منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ اچانک اسے آواز سنائی دی۔

’’چاچا جی رکیں!‘‘ یہ وہی نوجوان تھا۔

’’جی پتر! خیر ہے؟‘‘ چاچا حیرت سے نوجوان کی طرف دیکھنے لگا۔

’’چاچا جی یہ میری طرف سے اپ کے لیے چھوٹا سا تحفہ۔‘‘ نوجوان نے بکرے کی رسی چاچا جی کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

’’پتر...... یہ......!!‘‘ چاچا بوکھلا سا گیا۔

’’صرف ایک چھوٹا سا تحفہ ہے چاچا جی! قربانی اگلے سال کیوں؟ اسی سال کیوں نہیں؟‘‘ نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’مگر...... پتر!‘‘ چاچا اب بھی کشمکش میں تھا۔

’’چاچا جی مجھے چلتی پھرتی نیکی کرنے کی عادت ہے۔ میرا تحفہ قبول کر کے میری مدد کریں۔‘‘ نوجوان کی آنکھوں میں عاجزی کا عنصر نمایاں تھا۔ چاچا نے کشمکش میں بکرے کی رسی تھام لی۔

’’یہ بکرے کا خرچ!‘‘ نوجوان نے ہزار ہزار کے چند نوٹ چاچا کی مٹھی میں تھما دیے۔

چاچا نے نوجوان کی آنکھوں میں جھانکا جہاں سکون کا سمندر موجزن تھا۔ چاچا کی آنکھوں میں شکرانے کے موتی جھلمل کرنے لگے۔

’’میرے لائق کوئی خدمت پتر۔۔۔!!‘‘ اس نے پورے خلوص سے پوچھا۔

’’بس اتنی سی درخواست ہے چاچا جی کہ کسی کو مصیبت میں دیکھ کر اس کی مدد کیجیے۔ یقین جانیں سکون کی ایسی دولت نصیب ہو گی جو بیان سے باہر ہے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے نوجوان کی نظروں کے سامنے مختلف ہسپتالوں اور سائیکالوجسٹ کے دفتروں میں لگنے والے چکر گزر گئے جو اسے ڈپریشن سے نکالنے میں ناکام رہے تھے مگر چلتی پھرتی نیکیوں نے اس کی زندگی آسان کر دی۔ اب جب کبھی اسے بے چینی محسوس ہوتی تو وہ دوائی کی طرح چلتی پھرتی نیکی کی تلاش میں نکل پڑتا۔

’’اچھا چلتا ہوں چاچا جی۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔‘‘

نوجوان نے واپسی کی جانب قدم بڑھا دیے۔

چاچا کبھی لمحہ بہ لمحہ دور جاتے تو جوان کو دیکھتا اور کبھی بکرے کو۔ نوجوان نے چاچا کے دل و دماغ میں سوچ کا نیا در وا کر دیا تھا۔

تیری تذلیل کے داغوں کی جلن دل میں لیے
تیری حرمت کے چراغوں کی لگن دل میں لیے
تیری الفت، تری یادوں کی کسک ساتھ گئی
تیرے نارنج شگوفوں کی مہک ساتھ گئی
سارے ان دیکھے رفیقوں کا جلو ساتھ رہا
کتنے ہاتھوں سے ہم آغوش مرا ہاتھ رہا
دور پردیس کی بے مہر گذرگاہوں میں
اجنبی شہر کی بے نام و نشاں راہوں میں
جس زمیں پر بھی کھلا میرے لہو کا پرچم
لہلہاتا ہے وہاں ارضِ فلسطیں کا علم
تیرے اعدا نے کیا ایک فلسطیں برباد
میرے زخموں نے کیے کتنے فلسطیں آباد

میر حجاز

''کوئی ہے جو دیکھے کہ ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟'' جنگ کے اختتام پر اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کیا۔ ''اگر وہ مقتولوں میں تم سے نہ پہچانا جائے تو اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان دیکھ لینا۔'' یہ سن کر اصحابِ رسولؐ اس کی تلاش میں بکھر گئے۔ تلاش کرتے کرتے عبداللہؓ بن مسعود نے ابوجہل کو پالیا۔ وہ جاں بلب زمین پر پڑا تھا۔ اس کا سارا جسم فولادی زرہ اور خود میں چھپا ہوا تھا۔ اس کی تلوار اس کی رانوں پر پڑی تھی اور وہ کمزوری کے باعث اپنے جسم کو حرکت بھی نہیں دے سکتا تھا۔ عبداللہؓ بن مسعود نے اسے پہچان لیا کیونکہ مکہ میں انہیں اس سے کئی بار واسطہ پڑا تھا۔ اور ابوجہل نے عبداللہؓ بن مسعود کو بالوں سے پکڑ کر مکّے رسید کیے تھے۔ آج اللہ نے مکے کے اس فرعون کو بے دست و پا کر کے عبداللہؓ بن مسعود کے اختیار میں دے دیا تھا۔ عبداللہؓ بن مسعود جب اس کی چھاتی پر چڑھ گئے تو اس نے کہا:

''او بکریاں چرانے والے! تو نے بڑے اونچے زینے پر قدم رکھ دیا ہے۔''

عبداللہؓ بن مسعود نے اس کے تکبر آمیز جملے کے جواب میں کہا:

''او اللہ کے دشمن! آخر اللہ نے تجھے رسوا کر دیا نا؟''

''اس نے مجھے کیسے رسوا کیا؟ کیا جس شخص کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے، اس سے بھی بلند پایہ کوئی آدمی ہے؟'' ابوجہل کا کبر و نخوت اب بھی اس کی زبان پر بول رہا تھا۔ ''کاش! مجھے یثرب کے کسانوں کی بجائے کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ فتح کسے حاصل ہوئی؟''

''اللہ اور اس کے رسول کی فتح ہوئی۔''

یہ سن کر ابوجہل نے ابن مسعودؓ پر نگاہ واپسیں ڈالی اور کہا:

''محمد کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں عمر بھر اس کا دشمن رہا ہوں اور اس وقت بھی ان کے بارے میں عداوت کے جذبات بہت شدید ہیں۔'' ابن مسعودؓ نے اس کا خود اس کی گردن سے ہٹایا۔ اس پر تلوار کا ایک وار کیا اور اس کا سر پُرغرور اس کے بدن سے دور جا گرا۔ پھر اس کا سر اٹھا کر بارگاہ رسالت میں پیش کر دیا۔

''یارسول اللہ! یہ ہے اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر۔''

''اللہ کا شکر ہے جس نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت بخشی'' یہ کہتے ہوئے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر فرمایا:

''ہر امت میں ایک فرعون ہوتا ہے اور میری امت کا فرعون ابوجہل تھا۔''

جنگ ختم ہوتے ہی جبریل امین ایک گھوڑی پر سوار خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے۔ ان کا چہرہ گرد آلود تھا۔ عرض کی: یا نبیؐ اللہ! اللہ نے مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک آپ راضی نہ ہوں، واپس نہیں آنا۔ کیا آپ اب خوش ہیں؟''

''میں راضی ہوں، تمھیں واپسی کی اجازت ہے۔''

رسول اکرم ﷺ نے اپنے اطمینان کا اظہار فرمایا۔

☆☆

اختر حسین عزمی

ہلاکت و اسیری:

مصعبؓ بن عمیر جب اپنے بھائی ابوعزیز بن عمیر کے پاس سے گزرے تو کعبؓ انصاری اسے باندھ رہے تھے۔ مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے کفار کے ساتھ آنے والا بھائی اب مصعبؓ بن عمیر کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مصعبؓ بن عمیر نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے انصاری صحابی کو مخاطب کر کے کہا:

''اسے خوب کس کے باندھنا، اس کی ماں بڑی امیر ہے، بڑا بھاری فدیہ دے کر اسے چھڑائے گی۔''

مصعبؓ کی یہ بات ان کے بھائی کے لیے بڑی حیران کن تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کا حقیقی بھائی اتنا بے مروت اور بے لحاظ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ نرمی کی سفارش کرنے کے بجائے اس پر اور زیادہ سختی کرنے کا کہے۔ برادری اور قبیلے کی عصبیت عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ان کے ہاں یہ کہاوت عام تھی: اُنصر اخاک ظالماً او مظلوماً (اپنے بھائی کی مدد کرو۔ چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم) وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ بھائی اپنے بھائی کے مقابلے میں اس کے دشمن کا ساتھ دے۔ مصعبؓ بن عمیر کا جواب سن کر ان کا بھائی تلملا کر بولا:

''یہ تم کہہ رہے ہو جبکہ تم تو میرے بھائی ہو؟''

''تم میرے بھائی نہیں ہو، میرا بھائی وہ ہے جو تمھیں باندھ رہا ہے۔''

مصعب بن عمیر خونی و نسلی برادری کے تصور سے بالاتر ہو چکے تھے۔ ایک نئی برادری، ایمانی برادری کا تصور ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا۔ اللہ کے رسولؐ کی تربیت سے قبائلی و خاندانی عصبیتیں دم توڑ گئیں۔ ایک ہی خاندان کے افراد جنھوں نے کلمہ حق کو ٹھکرا دیا، دُور ہو گئے اور اجنبی اور دشمن قبائل والے قبول ایمان کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔ ایک نئی برادری تشکیل پا رہی تھی جس کی بنیاد ایمان کا اشتراک تھا:

انما المومنون اخوۃ۔ بے شک ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

☆☆

جنگ بدر میں قریش کے پرچم بردار سہیل بن عمرو کو مالک بن دخشم انصاری نے گرفتار کر کے تاجدار مدینہ کے حضور پیش کیا۔ اسے دیکھ کر عمر فاروق کا خون کھول اُٹھا۔ آج قریش کا وہ شعلہ نوا خطیب ان کے قبضے میں تھا جس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سالہا سال سے اللہ کے نبیؐ اور ان کے ماننے والوں کو گھائل کرتے رہے تھے۔ جس نے اپنے زبان و بیان کی خداداد صلاحیتوں کو خدا کے دین کو نیچا دکھانے میں صرف کیا تھا۔ جس نے اپنے دو فرزندوں ابوجندل اور عبداللہ کو قبولِ اسلام کی پاداش میں زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ جس کی دو بیٹیاں سہلہ اور اُم کلثوم اپنا ایمان بچانے کے لیے ہجرت پر مجبور ہوئیں۔ اس کے باوجود وہ اسلام کے لیے اپنے دل اور آنکھوں کو بند کیے ہوئے تھا۔ عمرؓ بن خطاب نے عرض کی:

''یارسولؐ اللہ! اگر اجازت ہو تو میں سہیل کے اگلے دو دانت توڑ دوں۔ اس طرح اس کی زبان لپٹ جایا کرے گی اور یہ شخص کسی جگہ خطیب بن کر آپؐ کے خلاف کھڑا نہ ہو سکے گا۔ اس کی قوت گویائی نے اہل حق کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔''

''جانے دو عمر! جانے دو۔ اللہ نے اسے خطابت کی جو صلاحیت عطا کی ہے، ممکن ہے کہ اس سے مسلمانوں کو کبھی فائدہ پہنچے اور تم خوش ہو جاؤ۔'' رحمت عالم ﷺ مستقبل میں دُور تک دیکھ رہے تھے۔

☆☆

میدانِ بدر میں ہر طرف قریش کے سرداروں اور سپوتوں کی بے گور و کفن لاشیں بکھری

پڑی تھیں۔ ہر سردار کی لاش ٹھیک اسی مقام پر پڑی تھی جس کی نشاندہی اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن پہلے کی تھی۔ سترہ رمضان کی صبح کو شروع ہونے والا کفر و اسلام کا پہلا بڑا معرکہ سورج ڈھلنے کے بعد اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ اس معرکے میں چودہ مسلمان سر دھڑ کی بازی لگا کر شہید ہو چکے تھے، چھے مہاجرین اور آٹھ انصار مدینہ۔ جبکہ قریش کے ستّر افراد مارے گئے اور ستّر ہی قید ہو چکے تھے۔ کبر و غرور سے اکڑی سردارانِ قریش کی گردنیں اور رعونت بھرے چہرے میدانِ بدر کی دُھول چاٹ رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کی میتوں کے پاس کھڑے ہوئے اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''تم لوگ اپنے نبی کا کتنا بُرا قبیلہ اور کتنے بُرے رشتہ دار تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا جب کہ اوروں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے اپنے گھر سے نکالا اور دوسرے لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے ساتھ جنگ کی جبکہ دوسروں نے میری مدد کی۔''

قریب تھا کہ جنگلی جانور اور کتے ان کی لاشوں کو بھنبھوڑ ڈالیں، چیل اور کوّے ان کے گوشت کو نوچیں کہ خبابؓ کو آگ کے انگاروں پر لٹانے اور بلالؓ کو تپتی ریت اور پتھریلی گلیوں میں گھسیٹنے اور قریش کے شریف ترین انسان پر اُونٹ کی غلاظت بھری جیر ڈالنے والے اسی انجام کے مستحق تھے لیکن وہ جو رحمت عالم ﷺ تھے، انہوں نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ ان کے دشمنوں کی لاشوں کی یہ بے حرمتی ہو، اس عرب میں جہاں لاشوں کا مثلہ کرنا، دشمن کے ناک کان کاٹ کر گلے کا ہار بنانا عام تھا، اس عرب میں رسول عربی ﷺ نے یہ گوارا نہ کیا کہ دشمن کے لاشے یونہی بے گور و کفن پڑے رہیں۔ انہوں نے مجاہدین اسلام کو ہدایت کی کہ وہ ان سب کی لاشوں کو ایک کنویں میں ڈال کر اسے مٹی سے ڈھانپ دیں۔ دشمن کی لاشوں کے ساتھ اس سلوک کی مثال کسی فاتح کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ صرف محمد عربی ﷺ کی شانِ رحمت ہے۔

مقتول کفار کی لاشیں گھسیٹ گھسیٹ کر لائی جا رہی تھیں اور ایک اندھے کنویں میں پھینکی جا رہی تھیں۔ اسی اثناء میں ابوحذیفہؓ کے باپ عتبہ بن ربیعہ کی لاش بھی لائی گئی۔ جسے حمزہؓ کی شمشیر جوہر دار نے دولخت کر دیا تھا۔ اب اسے اور اس کے ساتھ ابوحذیفہؓ کے بھائی ولید اور چچا شیبہ کی لاش کو گڑھے میں پھینکا جا رہا تھا۔ یہ منظر ابوحذیفہؓ کے لیے بڑا صبر آزما تھا۔ ان کے اندر کا اضطراب ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ اپنے باپ، بھائی اور چچا کے کفر پر ہونے کے باعث غم و اندوہ کا جو طوفان ابوحذیفہؓ کے دل کے اندر برپا تھا، اسے اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ محسوس کرنے والا اور کون ہو سکتا تھا۔ رحمت عالم ﷺ نے ان کی اس کیفیت کو دیکھتے ہوئے پوچھا: ''اے ابوحذیفہؓ! اپنے باپ کی یہ حالت دیکھ کر تمھارے دل میں کچھ خیال تو نہیں پیدا ہو گیا؟''

''یا رسول اللہ! مجھے اپنے باپ اور اس کے انجام کے بارے میں کوئی شک نہیں لیکن میں اپنے باپ کو صاحب الرائے، حلیم الطبع اور اچھی صفات کا حاصل تصور کرتا تھا اور مجھے امید تھی کہ اس کی یہ خوبیاں اسے اسلام کی طرف لے آئیں گی۔ جب میں نے اس کے حالت کفر میں مرنے کو دیکھا تو مجھے اس بات کا بہت دکھ ہوا ہے۔''

عتبہ بن ربیعہ میں ابوجہل جیسا اندھا تعصب اور اکھڑ پن اور عقبہ بن ابی مُعَیط جیسی کمینگی اور گھٹیا پن نہ تھا۔ عتبہ اپنی خاندانی وجاہت، دولت و ثروت، عقل و دانش اور معاملہ فہمی میں نمایاں تھا لیکن اسلام کی بدخواہی میں پیش پیش تھا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ابوحذیفہؓ کا یہ جواب سن کر انھیں اپنی دعاؤں سے نوازا۔

اُمیّہ بن خلف کی لاش پر زرہ ابھی تک موجود تھی۔ فربہ اندام اُمیّہ کی لاش اس تیزی کے ساتھ پھول گئی تھی کہ اس کے بدن سے زِرہ نہیں اُتر رہی تھی۔ زرہ کو اتارنے لگے تو اس کا گوشت اور ہڈیاں بکھرنے لگیں۔ اس لیے اسے وہیں پڑا رہنے دیا اور اس پر مٹی اور پتھر ڈال کر ڈھانک دیا گیا۔

☆☆

میدانِ بدر میں رات اتر آئی تھی۔ فتح کی مسرت سے سرشار مال غنیمت جمع کرنے والے، کفار کو قیدی بنانے والے، اللہ کے نبی کی حفاظت کرنے والے اور مختلف مورچوں پر پہرہ دینے والے سب مجاہدین اکٹھے ہو چکے تھے۔ باتوں باتوں میں مال غنیمت کا ذکر آیا تو مال غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا:

''مال غنیمت تو ہم نے جمع کیا ہے، اس لیے اس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں۔''

ان کی یہ بات سن کر دشمن کا تعاقب کرنے والوں نے کہا:

''تم لوگ ہم سے بڑھ کر اس مال کے حق دار نہیں ہو کیونکہ اس مال سے دشمن کو بھگانے اور دُور رکھنے کا کام تو ہم نے کیا ہے۔ اگر ہم یہ نہ کرتے تو تم کیسے اسے اپنے قابو میں کر لیتے۔''

وہ لوگ جو اللہ کے رسول کی حفاظت پر مامور تھے اور ہر گھڑی آپ کے ساتھ رہے، مبادا کہ دشمن آپ پر کوئی وار کر جائے، انہوں نے کہا:

''ہمیں خطرہ تھا کہ دشمن رسولِ اکرم ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے، اس لیے ہم آپ ﷺ کی حفاظت میں مشغول رہے۔''

مال غنیمت کے بارے میں یہ اختلاف شدت اختیار کر گیا تھا۔ عہد جاہلیت میں میدان جنگ میں دشمن کا جو مال جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا، وہ اسی کا ہو جاتا تھا۔ مال غنیمت کے بارے میں مسلمانوں کے اس اختلاف کو دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے، وہ آپ ﷺ کے پاس جمع کروا دے۔ چنانچہ مجاہدین اسلام نے حکم کی تعمیل کی۔ اب اللہ نے اپنے نبی ﷺ پر وحی کی:

''لوگ آپ سے مال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو کہ مال غنیمت اللہ اور رسول ﷺ کے لیے ہے۔''

اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے مال غنیمت سے اپنے لیے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی چار حصے مجاہدین اسلام میں برابر تقسیم کر دیے۔

جاری ہے

مرسلہ: ماہین بہروز

اسٹرابری

یورپی ممالک خصوصاً انگلستان کا ایک پودا۔ اس کے پھول سفید، یورپی، جنگلی گلاب سے مشابہ اور پتے چوڑے اور دندانہ دار ہوتے ہیں۔ پھل کی سطح پر زرد رنگ کے چھوٹے دانے ہوتے ہیں جو کھانے میں بہت لذیز ہوتے ہیں۔ ان دانوں کو زمین میں بویا جائے تو پودا اُگ آتا ہے۔

سٹرابری کا پودا حقیقتاً خودرو اور جنگلی پودا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کا پھل لذیذ اور کھانے کے قابل نہیں ہوتا، البتہ جب اُسے مصنوعی طریقے پر باغوں میں کاشت کیا جاتا ہے تو نہایت عمدہ، لذیذ اور خوشبو دار پھل دیتا ہے۔ کاشت کے تین سال بعد پودے میں پھل لگتا ہے۔ یورپ کے ملکوں میں کھانے کے علاوہ اس کے پھل سے چٹنی اور مربہ بنایا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں اس کی کوئی پندرہ اقسام پائی جاتی ہیں۔ پاکستان میں مارچ، اپریل کے مہینوں میں دستیاب ہوتا ہے۔

جنگ کون جیتا؟

حافظ عبدالرزاق خان

''جرنلزم کے ایک اسٹوڈنٹ کے منہ سے ایسی بے تکی بات..... میرے تصور میں بھی محال ہے.....'' خاکی صاحب نے حیرانی سے کہا۔

''آخر ایسی کون سی بے پر کی اڑا دی عاکف نے؟'' اقراش نے جواباً پوچھا۔

''وہ جناب فرما رہے تھے کہ 7 اکتوبر 2023 سے پہلے فلسطین کے حالات کتنے نارمل چل رہے تھے..... نہ اسرائیلی تنصیبات کو چھیڑتے نہ انھیں ان حالات کا سامنا کرنا پڑتا.....'' خاکی صاحب نے عاکف کی بات ہو بہو نقل کی تو اقراش کے منہ سے بھی نکلا:

''کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہا ہے۔ اسرائیل ایک ایٹمی ملک ہے، وہ اپنی ہتک کیسے برداشت کرسکتا تھا۔''

''اناللہ..... اقراش میاں تم بھی گئے کام سے۔'' خاکی صاحب نے عینک اتارتے ہوئے تاسف سے کہا۔

کچھ توقف کے بعد خاکی صاحب نے اپنے شاگردِ رشید احسن خلیل کو آنکھوں سے اشارۃً حکم دیا کہ کچھ بولے۔ احسن خلیل نو وارد طالب علم تھا۔ جبکہ عاکف اور اقراش اپنی ڈگری مکمل کرنے والے تھے۔

''فلسطین میں اسرائیلی درندگی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کشمیر میں ہندوؤں کے غاصبانہ قبضے اور مظالم کی تاریخ..... جسے اتنا بھی پتا نہ ہو کہ فلسطینی کب سے اسرائیلیوں سے برسرِ پیکار ہیں..... تو ایسی پڑھائی کا کیا فائدہ؟'' احسن خلیل نے عاکف کو گھورا۔

''اوپر سے اقراش صاحب کہہ رہے ہیں کہ عاکف نے ٹھیک کہا۔ گویا یہ بھی مسئلہ فلسطین کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے۔'' احسن خلیل نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں! میرا مطلب یہ نہیں تھا..... میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ موجودہ خونیں حالات کا سبب تو یہ سات اکتوبر ہی تو ہے ناں!'' اقراش نے صفائی پیش کی۔

''بھئی جب آپ کے گھر میں آکر کوئی دشمن زبردستی آپ کو نکالے، یا یہ کہے کہ اس گھر کو آدھا آدھا تقسیم کرلیتے ہیں تو اس وقت آپ کا ردِعمل کیا ہوگا؟''

خاکی صاحب نے اقراش سے سوال کیا۔

''میں اس کا منہ نہ توڑ دوں گا بھلا!''

''تو پھر فلسطینی، اسرائیلی فوجیوں کو دعوت کھلائیں گے کہ آؤ آؤ یہ ملک ہم سے لے لو۔''

خاکی صاحب نے اقراش کی سوچ پر ضرب لگائی۔

''ہمیں پتا ہونا چاہیے کہ پہل فلسطینی مسلمانوں نے نہیں کی، بلکہ اسرائیل کب سے درندگی دکھا رہا ہے، کب سے دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا رہا ہے، اس نے کب سے فلسطینی کو جدید اسلحے کی تجربہ گاہ بنا رکھا ہے.....''

احسن خلیل نے تدبر سے کہا تو دونوں نے شرم کے مارے سر جھکا لیے۔

''76 برس سے فلسطینی نوجوان اینٹ اور پتھر سے دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں..... اب جا کر انھوں نے ایک ضرب کاری لگائی تو اسرائیل کے ہوش ٹھکانے آ گئے..... اتنے آپے سے باہر ہوئے کہ قتل عام شروع کردیا۔'' احسن خلیل نے حقیقت بیان کی۔

عاکف اور اقراش کو چپ لگ گئی۔ خاکی صاحب نے بڑی دیر سے خاموش بیٹھے شیراز کو کریدا: ''آپ بھی تو کچھ فرمائیں!'' شیراز کے ہاتھ میں ایک مجلہ تھا: ماہِ نو، وہ بولا:

''سر جی میں کیا کہوں؟ اتفاق سے اس مجلّے کی ورق گردانی کر رہا تھا تو یہ نظم ہاتھ لگی۔ فلسطینی بچے کا شبیہ مادر سے مکالمہ'' یہ مجلہ 2002 کا ہے جو لاہور سے شائع ہوا۔ یہ نظم بتا رہی ہے کہ بائیس برس قبل بھی فلسطینی مسلمان کرب سے گزر رہے تھے۔

اے مادرِ اقدس یہ تم ہو
اس چاند کے سیمیں گھونگھٹ میں
تاروں کے حسیں تر جھرمٹ میں
جو اک صیہونی ظالم کی
گولی سے بہا تھا دھرتی پر
اس خون کی اجلی دھاروں سے
اب چاند کا دامن سرخ ہوا!

ان اشعار نے ثبوت کا روپ دھار کر اقراش اور عاکف کو گویا بالکل ہی گونگا کردیا۔

''اچھا چلیں یہ تو ثابت ہوگیا کہ ہمارے یہ بھائی عرصہ دراز سے صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں مگر یہ جو ایک سال سے مسلسل خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے اس کے نتائج کیا نکلے؟'' خاکی صاحب نے معنی خیز انداز سے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ جب کوئی کچھ نہ بولا تو انھوں نے عاکف سے جواب چاہا۔

''سر جی نتائج آپ دیکھ ہی تو رہے ہیں..... غزہ تباہ ہوگیا..... خان یونس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی..... چالیس ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے..... رفح بھی بربادی کے دہانے پر ہے..... جہاں امن تھا چین تھا سکون تھا..... بے گھر افراد کے لیے مثلِ آغوشِ مادر تھا..... اب اس پر آگ برسائی جا رہی ہے۔ اسرائیل کی دھاک پوری دنیا میں بیٹھ گئی

فلسطینی پرچم اور تربوز

انتخاب: علی اسحاق۔ راولپنڈی

دنیا بھر میں اسرائیل حماس جنگ کے خلاف مظاہروں میں بینرز، ٹی شرٹس، غباروں اور سوشل میڈیا پوسٹس میں ایک تصویر ابھر کر سامنے آئی ہے اور وہ ہے تربوز!!

کٹے ہوئے تربوز کے سرخ رنگ کے گودے، سبز، سفید چھلکے اور سیاہ بیج کے رنگ وہی رنگ ہیں جو فلسطینی پرچم کے ہیں۔

یہ پھل مغربی کنارے اور غزہ میں احتجاج کی ایک علامت بننے کے بعد سے فلسطینیوں کے ساتھ یک جہتی کی عالمی علامت کیسے بنا؟

تاریخی پس منظر:

مشرق وسطیٰ کی 1967 کی جنگ کے بعد اسرائیل کی حکومت نے غزہ اور مغربی کنارے میں فلسطینی پرچم کی نمائش پر پکڑ دھکڑ شروع کی۔ رملہ میں 1980 میں فوج نے تین فنکاروں کے زیر انتظام ایک گیلری کو اس لیے بند کر دیا کہ انھوں نے پولیٹیکل آرٹ اور اپنے فن پاروں کو فلسطینی پرچم کے سرخ، سبز، سیاہ اور سفید رنگوں میں پیش کیا تھا۔

ان تینوں فنکاروں کو بعد میں اسرائیل کے ایک افسر نے طلب کیا۔ آرٹسٹ اور نمائش کے منتظم، سلیمان منصور کے مطابق، ایک اسرائیلی افسر نے ان سے کہا، ''فوج کی اجازت کے بغیر کسی نمائش کے انعقاد پر پابندی عائد ہے، اور دوسری بات یہ کہ فلسطینی پرچم کے رنگوں کو پینٹ کرنے کی بھی ممانعت ہے۔''

اس کے بعد سے لوگوں نے مظاہروں میں اس پھل کو لہرانا شروع کر دیا۔

منصور نے ایسوسی ایٹڈ پریس کو بتایا کہ، ''افسر نے تربوز کی تصویر کشی کو آرٹ کی ایک ایسی مثال قرار دیا جس سے فوج کے ضابطوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔''

مصنف، مہدی صباغ نے لکھا ہے کہ ایسے نوجوانوں کی کہانیاں موجود ہیں جنھوں نے فوج کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تربوز کے کٹے ہوئے ٹکڑوں کے ساتھ سڑکوں پر پیدل چل کر اسرائیلی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتاری کا خطرہ مول لیا۔ اُنھوں نے لکھا، جب میں تربوز دیکھتا ہوں تو میں اپنے لوگوں کے اٹوٹ جذبے کے بارے میں سوچتا ہوں۔

سلیمان منصور نے کہا، ''90 کی دہائی کے وسط میں جب اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان عبوری معاہدے ہونے سے ایک سال قبل موجودہ قوم پرست اسرائیلی حکومت کے اقتدار سنبھالنے تک، فلسطینی پرچم بلند کرنا ایک بڑے مسئلے کے طور پر پس پشت چلا گیا۔ پھر 30 سال کے بعد، یہ ایک بار پھر ایک قومی علامت بن گیا۔''

تربوز کے بیج:

تربوز کی تصویر یک جہتی کی ایک علامت بننے ایک اور وجہ اس کے بیج بھی ہیں۔ سرگرم کارکنوں میں ایک کہاوت مقبول ہے، جسے عام طور پر یونان کے ایک شاعر، ڈائنوس کرسچنا پولس سے منسوب کیا جاتا ہے، ''وہ ہمیں دفن کرنا چاہتے تھے؛ وہ نہیں جانتے تھے کہ ہم بیج ہیں۔''

تربوز کی تکونی قاش کی علامتی تصویر پر مبنی نئے ڈیزائن کے خالق آرٹسٹ، شان ایسکارسیگا نے تربوز کے بیج کی طاقت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا، ''آپ ایک تربوز کو کچل سکتے ہیں۔ آپ اس کو تباہ کر سکتے ہیں لیکن بیجوں کو کچل دینا مشکل ہوتا ہے۔''

یہ واقعی ایک بڑی طاقت ہے کہ اتنی چھوٹی سے چیز سے زندگی پیدا ہو سکے اور وہ اتنی مضبوط ہو اور یہ کہ وہ اتنی آسانی سے پھیل سکے۔

(وائس آف امریکا)

ہے..... ساری دنیا سراپا احتجاج ہے مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے..... وہ اپنا مقصد پورا کر کے ہی دم لیں گے ایک گریٹر اسرائیل کا منصوبہ..... انھوں نے امریکا پر کوئی ایسا جادو کیا ہے کہ وہ عیسائی ہونے کے باوجود اسرائیل کی کھل کر حمایت کر رہے ہیں۔''

عاکف نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ یہ مافی الضمیر کے اظہار کی آزادی خا کی صاحب نے ہی انھیں سکھائی تھی۔

عاکف جب اپنی رائے دے چکا تو خا کی صاحب نے احسن خلیل کی طرف دیکھا:

''یہ عاکف کی رائے ہے اور مجھے اس رائے سے اختلاف ہے کیونکہ صرف ظاہر کی آنکھ سے نتائج نہیں بتائے جا سکتے..... پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمان تو جنگ کبھی ہارتا ہی نہیں ہے۔''

ابھی احسن خلیل نے اتنا ہی کہا تھا کہ عاکف نے بیچ میں ٹانگ اڑائی: ''لو جی سنیں ان کی بات..... مسلمان جنگ نہیں ہارتا..... تو کیا فلسطینی جنگ جیت رہے ہیں؟''

''عاکف حوصلہ رکھو..... بات تو پوری ہونے دو.....'' خا کی صاحب نے اسے ٹوکا۔

''جی ہاں مسلمان جنگ نہیں ہارتا..... غالب آ گیا تو غازی اور مارا گیا تو شہید..... دونوں طرح سے کامیاب..... اسرائیلی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے..... وہ فلسطینیوں کی آواز دبانے آئے تھے مگر آج پوری دنیا میں سب سے اونچی آواز فلسطین ہی کی ہے..... محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ دیارِ غیر میں بے لوث حمایت کا سلسلہ جاری ہے۔ مسلمانوں کی خاموشی حیران کن سہی مگر غیر مسلم طلبہ کا صیہونی جارحیت کے خلاف احتجاج اس سے بھی حیران کن ہے۔ کل تک شاید اہلِ فلسطین بھی حماس کے طریقہ کار سے اختلاف رکھتے تھے مگر آج ہر ایک کے ذہن میں مقابلے کا سودا سمایا ہے۔ وہ مسلمان امت جو اسرائیلی مصنوعات کی سب سے بڑی خریدار تھی..... معاشی مقاطعہ کے لیے تیار ہو گئی ہے..... اسرائیلی درندگی کھل کر پوری دنیا کے سامنے آ گئی ہے ہر کوئی شیم شیم کہہ رہا ہے۔

فلسطینی مسلمان حسینؓ قافلے کی طرح شہید کیے جا رہے ہیں۔ کوئی عام موت نہیں مر رہے..... یہ اموات قدرتی آفات کی وجہ سے بھی ہو سکتی تھیں، کسی بڑی بیماری کی وجہ سے بھی ہو سکتی تھیں لیکن یہ تو عین شہادتیں ہو رہی ہیں..... اور دل اتنے مضبوط ہیں کہ ان کی استقامت جدید ٹیکنالوجی کا منہ چڑا رہی ہے..... اہلِ فلسطین یہ جنگ جیت چکے ہیں.....

فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

'ان میں سے بعضے اپنی نذر پوری کر چکے اور بہت سے اس کے منتظر ہیں..... ان کے ارادے اور جذبے نہیں بدلے۔'

احسن خلیل نے منطقی باتیں کیں تو عاکف پھر لاجواب ہو گیا۔ احسن خلیل کی تائید میں شیراز نے لگے ہاتھوں یہ شعر کہا:

ہار کر بھی کچھ انسان مات دے گئے طاہر
جیت ساری جنگوں کا فیصلہ نہیں ہوتی

نفرت کا راز

محمد حذیفہ اکرام۔ راولپنڈی

''مجھے آپ سے نفرت ہے۔'' مجھے پیچھے سے آئی آواز نے رکنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ ایک چھوٹے قد کا سانولا آدمی شلوار قمیص میں ملبوس میرے قریب آ کر رک گیا، وہ میرے سے مکمل اجنبی تھا۔ میں ابھی حیرت سے نکل نہ پایا تھا کہ اس نے پھر سپاٹ لہجے میں کہا: ''مجھے آپ سے نفرت ہے!''

''آپ کو..... مجھ سے..... نفرت ہے؟'' میں نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

''جی!'' اس نے مجھے حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں؟'' میں ابھی تک حیرت سے نکل نہ پایا تھا۔ ''میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے..... میں تو آپ کو جانتا ہی نہیں۔''

''آپ نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ اسی لیے مجھے آپ سے نفرت ہے کاش آپ میرا کچھ بگاڑتے!'' وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ میری حیرت دوچند ہوگئی۔

''ہے کوئی تک..... تم پاگل تو نہیں ہو۔'' میں جھلا اٹھا۔

''نہیں!'' وہ مسکرایا۔

''یہ کیا بات ہوئی..... لوگ محبت کا اظہار کرتے ہیں اور تم نفرت کا اظہار کرنے پہنچ گئے ہو۔ اور وہ بھی بالکل فضول بات پر..... جو مجھے سمجھ تک نہیں آئی۔'' میں نے غصے سے سر جھٹکا۔

''چلو وقت نہ ضائع کرو میرا!'' میں نے کہا اور اس سے منہ موڑ کر چل دیا۔

''کیا آپ مجھ سے نفرت کا سبب نہیں پوچھیں گے؟'' وہ پھر میرے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''جب میں تمھیں جانتا ہی نہیں تو تمھیں مجھ سے نفرت کیوں ہونے لگی؟''

میں زچ ہو کر بولا۔

''میں نے آپ سے کہا نا کہ مجھے اس لیے آپ سے نفرت ہے کہ آپ نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔'' وہ بولا۔

''حد ہوگئی۔'' میں نے سر پکڑ لیا۔ ''چلو مجھے معاف کر دو..... آئندہ مجھے جب بھی موقع ملا یا تم نے جب بھی خواہش کی تو میں تمھارا سب کچھ بگاڑنے کے لیے تیار رہوں گا..... وہ سامنے میرا گھر ہے..... شوق ہے تو آ جانا..... میرے تین بیٹے جوان ہیں..... امید ہے کہ اچھی طرح سے بگاڑ دیں گے، تمھارا حلیہ!''

''لیکن اب کوئی فائدہ نہیں۔'' اس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ اب وقت گزر چکا ہے۔'' اس نے سرد آہ بھری۔

''یار سیدھی سیدھی بات کیوں نہیں بتاتے۔''

میں نے اکتا کر کہا۔

''میں آج سے پچیس سال پہلے آپ کے پاس گورنمنٹ اسکول میں پڑھا کرتا تھا۔ آپ کو شاید اس لیے نہیں یاد کہ آپ استاد ہیں اور اساتذہ کو شاگرد کم ہی یاد رہتے ہیں اور آپ تو شاید بوڑھے بھی ہو گئے ہیں۔ بہرحال! مجھے یقین ہے کہ میں آپ کو یاد آ جاؤں گا۔''

''میں نے تمھیں پڑھا کر کون سا جرم کیا ہے؟'' میں نے اسے گھورا، اب وہ میرا شاگرد تھا۔

''میرے بابا آپ کے دوست تھے اور آپ اسی وجہ سے مجھے پاس کر دیا کرتے۔ کلاس میں شرارتوں پر بھی کچھ نہ کہتے۔ پھر وہ شرارتیں غنڈہ گردی میں بدلیں اور غنڈہ گردی' اس میں' اس نے اپنی جیکٹ دکھائی..... وہاں چمکتا ہوا پستول جگمگا رہا تھا۔

''مجھے دنیا گوگا ڈاکو کے نام سے جانتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے والد کے فوت ہو جانے کے بعد آپ نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا مگر آپ نے مجھ پر تنقید کیوں نہ کی؟ یہ کیوں نہ دیکھا کہ میری صحبت بُری ہے؟ کیا صرف مالی امداد دوستی کے حق کے لیے کافی ہوتی ہے؟ سچ کہوں تو آپ کو ہماری مدد کر کے دنیا کو دکھانا مقصود تھا۔ اگر آپ کو سچی ہمدردی ہوتی تو آپ مجھے برائی میں گرتا دیکھ کر آنکھیں بند نہ کرتے!''

وہ بولتا چلا گیا اور میں سن کھڑا رہ گیا۔

''کامران تم!'' میرے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں اور مجھے آپ سے نفرت ہے اور آپ جیسے نام نہاد تمام ہمدردوں سے بھی۔'' وہ بولا اور چل دیا۔

وہ میری ساری زندگی کے فخر کو پاش پاش کر گیا تھا۔

معلومات عامہ

1۔ اونٹ کے دودھ میں آئرن کی مقدار گائے کے دودھ سے 10 گنا زیادہ ہوتی ہے۔

2۔ ڈوربیل 1831 میں جوزیف ہنری نے ایجاد کی۔

3۔ مچھلی کی آنکھیں ہر وقت کھلی رہتی ہیں، کیوں کہ ان کے پپوٹے نہیں ہوتے۔

4۔ سورج پر سب سے زیادہ ہائیڈروجن گیس پائی جاتی ہے۔

5۔ کوریا کو صبح کی سرزمین کہا جاتا ہے۔

6۔ دنیا کا سب سے چھوٹا قومی ترانہ یونان کا ہے۔

7۔ دنیا کے 76 فی صد کھلونے چین میں بنتے ہیں۔

8۔ وینس شہر کو سمندر کی ملکہ کہا جاتا ہے۔

9۔ فرانس میں سب سے زیادہ سیاح جاتے ہیں۔

10۔ دنیا کی بلند ترین آبشار انجیل ہے۔

مرسلہ: زرینہ عنایت، کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆شمارہ ۱۱۴۶ کا سرورق بہت خوب صورت تھا۔ دستک میں چچا جان کراچی میں بسنے والے انسانوں کی اگلی نسلوں کے لیے گرمی پر کافی حد تک کنٹرول پانے کا نسخہ لیے موجود تھے۔ لیکن چچا جان لاہور میں بھی گرمی بہت ہے۔ لاہور کے لیے بھی کوئی نسخہ بتائیے۔ ’کوئی ایسے ہیرے تو دکھلائے مجھ کو‘ واقعی ایسے ہیرے آج کل کے زمانے میں تو ملنا ناممکن ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمیں بھی ان لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین (حافظ میر محمد بن عاصم حفیظ میر۔ لاہور)

☆مدیر چچا میں بچوں کا اسلام کی دس سال سے خاموش قاریہ ہوں، پہلی دفعہ لکھ رہی ہوں براہِ مہربانی سنوار کر شائع کر لیجیے گا اور ردی کی ٹوکری سے بہت دور رکھیے گا تاکہ مجھے پتا چل جائے کہ میں نے صحیح ایڈریس پر پوسٹ کیا ہے۔ شمارہ ۱۱۴۸ پڑھا، سرورق بہت اچھا لگا۔ ’دستک‘ پڑھی۔ ’جنگل کی کہانی‘ بھی اچھی تحریر تھی۔ ’میر حجاز‘ بہترین چل رہا ہے۔ یہ کتابی شکل میں کب شائع ہوگا۔ ضرور بتائیے گا؟ سعد حیدر بھائی کے قلم کے تو کیا کہنے، واقعی دل پر اثر ہوا۔ ’کیا ہے آزادی؟‘ جھنڈوں کی تعظیم کا درس دیتی بہت اچھی تحریر تھی۔ واقعی ہم بہت ناقدری کرتے ہیں ان کی۔ حافظ چاچو کے قلم کی تو میں گرویدہ ہوں۔ ہر تحریر بہتر سے بہتر ہوتی ہے۔ (مستجاب سرور۔ ماتلی بدین)

☆درزن‘ کہانی پر اثر تھی، ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے بہت ہی خوب انداز میں جذبات کی ترجمانی کی گئی تھی۔ ماشاء اللہ باقی سارا رسالہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ امت مسلمہ کے لیے بہت مفید ہے۔ اس کی افادیت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اللہ ہمارے رسالے کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ مدیر بھائی جب بھی مجھے اپنا خط آمنے سامنے میں نظر آتا ہے تو میرا خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ اللہ ہمیشہ استقامت عطا فرمائے۔ (صبیحہ عائشہ)

☆شمارہ ۱۱۳۹ دستک اوٹ پٹانگ خیالات اوٹ پٹانگ ہی تھے مسکراتے ہوئے پڑھا اچھا لگا۔ ’ترازو‘ کہانی سے یہ سبق حاصل ہوا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ’ابراہیم اک سفیر جنتاں‘ ایمان سے بھرپور بہت ہی پیاری کہانی تھی۔ ’ہمت کا پہاڑ‘ کا بے تابی سے انتظار رہتا ہے۔ ’کیتلی کیوں بھاگی؟‘ بھی بہترین تھی۔ (طیبہ راؤ۔ علی پور مظفر گڑھ)

☆شمارہ ۱۱۴۱ سارا کا سارا بہترین تھا۔ ہم رسالہ پڑھتے پڑھتے آمنے سامنے میں وارد ہوئے تو حور کا خط دیکھ کر خوشی ہوئی۔ ’وہ ایک بہن‘ ہماری بہت بہترین ہم جماعت ساتھی ہے۔

(امیمہ اکبر، حفصہ صفدر۔ کبیر والہ)

☆مدیر چاچو مجھے رسالے پر لکھنے کا بہت شوق ہے جو پہلے نہیں تھا۔ میں آمنے سامنے جو تبصرے ہوتے ہیں ان کو پڑھتی ہوں، میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں کچھ کہانیاں لکھوں اگر آپ اجازت دیں تو میں لکھ سکتی ہوں، پلیز انکار مت کیجیے گا۔ (سلمیٰ بنت مرید حسین۔ رحیم یار خان)

ج: تو کیا آپ کو یہ گمان ہے ہم منع کریں گے؟ بھئی اچھی تحریروں اور دل سے نکلی دعاؤں کی تو ہر گھڑی ضرورت رہتی ہے۔

☆’تسلی کے دو بول‘ واقعی تسلی کے دو بول غم کے وقت بڑا کام کر جاتے ہیں۔ ’عہد‘ جھوٹ کے خلاف ایک بہترین تحریر تھی۔ ’جیت کر بھی ہار گیا‘ واقعی جیت بھی کبھی ہار ثابت ہوتی ہے۔ ’میر حجاز‘ میں ہجرت نبوی کا تذکرہ دل کو معطر کر رہا تھا۔ (خدیجۃ الکبریٰ بنت مولانا محمد امتیاز فاروقی۔ رسول پور)

☆پہلی مرتبہ کسی رسالے میں خط لکھ رہا ہوں جملے بنانے تو نہیں آتے بچوں کا اسلام کے سہارے کچھ سیکھا ہے۔ ابھی بھی بڑے بھیا کے کہنے پر قلم اٹھایا ہے امید ہے میرے اس خط کو اپنے رسالے میں ضرور جگہ دیں گے اور اپنی خصوصی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں گے۔

(حافظ محمد امیر معاویہ۔ بہاول پور)

ج: آپ بھی دعاؤں میں یاد رکھیے!

☆’مدیر کا رنج‘ پڑھ کر ہمیں بھی رنج ہوا۔ ’شیرنی‘ پڑھ کر ہمارے حوصلے بھی بلند ہو گئے۔ ’جو جانا دور ہوتا ہے‘ بہت سبق آموز تھی۔ ’میر حجاز‘ میں سفر ہجرت کے واقعات پڑھ کر محظوظ ہوئے۔ ’پہلا روزہ‘ بہت قیمتی تحریر تھی۔ ’مقداد کی کہانی‘ پڑھ کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت پیار آیا کہ وہ اپنی امت کے لیے کیسے مہربان تھے۔ ’آمنے سامنے‘ میں میری آمد مجھے اس سے ہمیشہ کے لیے جوڑ سکتی ہے۔

(آمنہ بتول۔ رسول پور)

☆شمارہ ۱۱۴۴ ہاتھ میں ہے۔ سرورق بہت خوب صورت ہے۔ سب سے پہلے دستک پڑھی۔ ’یہ ہمارا منو نہیں‘ سبق آموز تھی۔ ’مومن کی اذان‘ میں سعد حیدر نے تو غضب کر دیا۔ ’میر حجاز‘ کی تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں۔ ’جو کرو گے پنگا‘ رسالے کی مزاحیہ تحریر تھی۔ ’ہمت کا پہاڑ‘ یہ ایسا سلسلہ ہے جو شمارے میں آکر چار چاند نہیں بلکہ ہزاروں چاند لگا دیتا ہے۔ ’پاکستان کا پرچم‘ اچھی تحریر تھی۔ ’بچے ہمارے عہد کے‘ شاندار تھی۔ ’بے جا سوال‘ بھی مزاحیہ تھی۔ (رانا محمد جریر احمد۔ شورکوٹ)

☆’اپنے خلاف گواہی‘ کا عنوان کچھ اور ہونا چاہیے تھا۔ ’کچرہ بردار چیتا‘ رسالے کی بہترین تحریر تھی۔ ’میر حجاز‘ ہمیشہ کی طرح بہترین جا رہا ہے۔ ’ہمت کا پہاڑ‘ ہماری سوچ سے بڑا نکلا۔ ہم تو سمجھ رہے تھے یہ چند قسطوں میں ختم ہو جائے گا۔ عباس العزم نے نظم ’موٹر ہماری‘ میں اپنی بے کار کار کے بارے میں لکھا۔ (محمد وقاص۔ جھنگ صدر)

☆شمارہ ۱۱۳۲ کافی اچھا تھا۔ میں تقریباً ڈیڑھ سال سے بچوں کا اسلام پڑھتا آ رہا ہوں۔ ماشاء اللہ بچوں کا اسلام ہر لحاظ سے بہترین ہے مگر ایک چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے اور وہ ہے ’انعامی سلسلہ‘ میری گزارش یہ ہے کہ ہفتے میں نہیں مہینے میں ایک مرتبہ بچوں کا اسلام میں کوئی انعامی سلسلہ شروع کر دیں تو آپ کی نوازش ہوگی۔ (محمد معاویہ۔ کراچی)

ج: تجویز پر غور کیا جا سکتا ہے۔

☆میں گیارہ (۱۱) سال کی ہوں اور ساتویں جماعت میں پڑھتی ہوں۔ میں بچوں کا اسلام چھے سال کی عمر سے پڑھ رہی ہوں۔ مجھے دستک اور سفرنامے بہت اچھے لگتے ہیں۔ مجھے چاچو اشتیاق احمد کی بھی جاسوسی کہانیاں بہت پسند ہیں۔ خاص کر ’سرمد ناولٹ‘ تو بہت پسند ہے۔ ہمارا دو ہزار (2000) صفحوں والا رسالہ کب شائع ہوگا۔ میں نے (1000) صفحوں والے رسالے کو ایک ہزار مرتبہ پڑھ لیا ہے۔ اب تو مجھے اس کی تمام کہانیاں زبانی یاد ہو چکی ہیں۔ میرے بابا جان میرے لیے بہت سی کہانیاں اور جاسوسی ناول لاتے ہیں۔ لیکن میں وہ سب دو دنوں میں چٹ کر جاتی ہوں۔

(وردہ سعید۔ میاں چنوں)

اکتوبر

انگریزی سال کا دسواں مہینہ ہے۔ اس میں اکتیس دن ہوتے ہیں۔ اس ماہ میں زمین، سورج کے گرد اپنے مدار پر تین چوتھائی سے زیادہ سفر کر چکی ہوتی ہے۔ نصف کرۂ شمالی سورج سے پرے ہٹنا شروع ہو جاتا ہے اور سورج خطِ استوا سے خطِ جدی کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔

نصف کرۂ شمالی میں دن رات سے چھوٹا اور نصف کرۂ جنوبی میں دن رات سے بڑا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ نصف کرۂ شمالی میں موسم سرما اور نصف کرۂ جنوبی میں موسم گرما کا آغاز ہو جاتا ہے۔

مرسلہ: زرینہ عنایت، کراچی

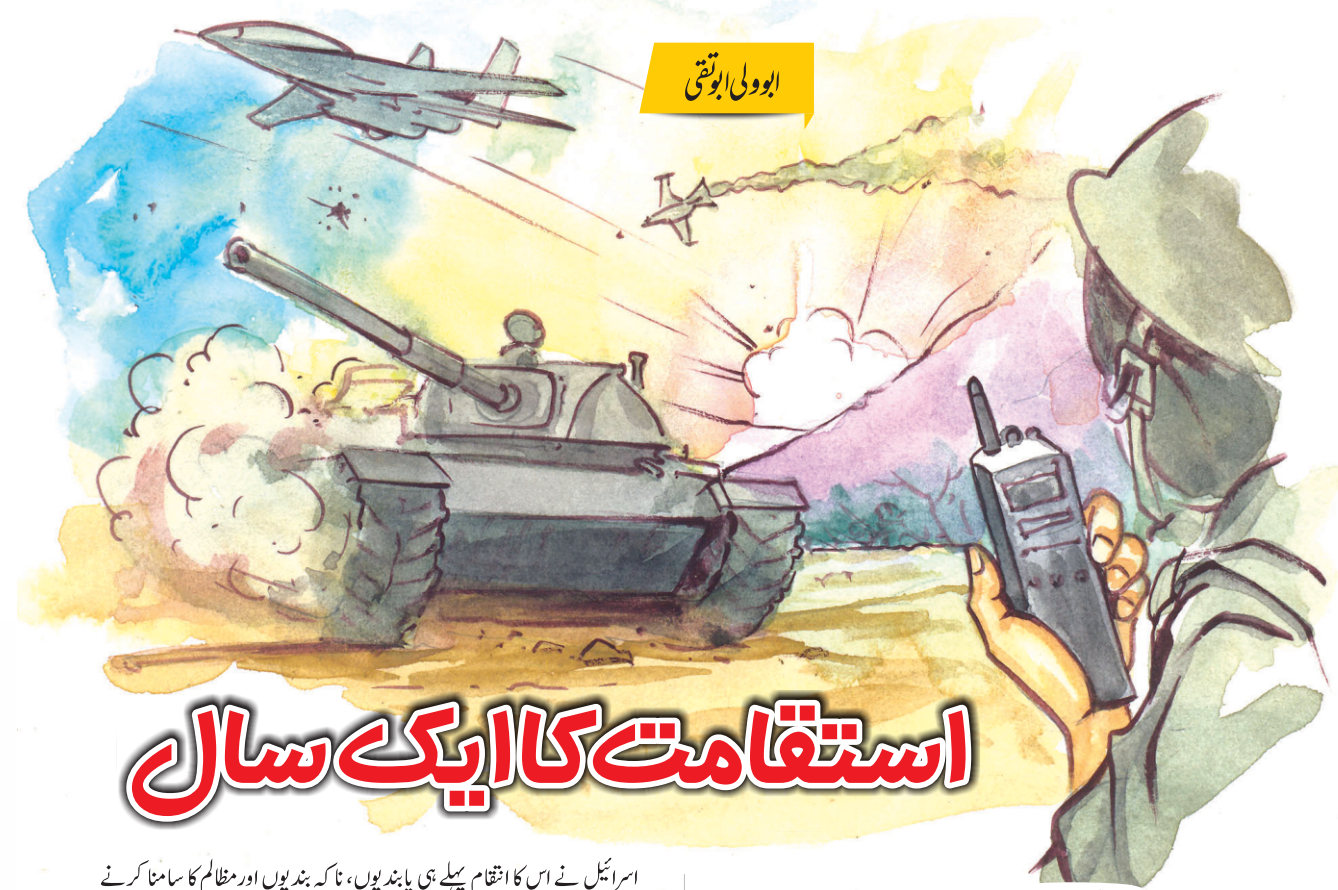

استقامت کا ایک سال

ابوولی ابوتقی

پوری دنیا دانتوں میں انگلی دبائے صدی کا حیران کن منظر دیکھ رہی ہے!

سپر پاور کے سائے میں پلنے، عالمی معیشت کو اپنے شکنجے میں جکڑنے، جسموں ہی نہیں ذہنوں کو غلام بنانے کی صلاحیتیں رکھنے اور آنے والے زمانوں کی بھی جدید ترین ٹیکنالوجی اور ہتھیاروں سے لیس ناجائز ریاست نہتے، بے سروسامان، خانہ بدوشوں کی سی زندگی جینے والوں، ہر لحہ بموں میزائلوں کا شور سننے، بارود کی بو سونگھنے، جسموں کے چیتھڑے اُڑتا اور خون کے فوارے اُبلتا دیکھنے والوں کا سر جھکا سکی نہ ان کی آنکھوں میں خوف کی ایک رمق ہی لانے میں کامیاب ہو سکی!

آج سے ٹھیک ایک سال قبل بے رحم اسرائیل کو جو وسائل سے محروم فلسطینیوں کے ہاتھوں جو دھچکا لگا تھا وہ 41 ہزار بے گناہ جانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر بھی اس سے سنبھل نہیں پایا۔ وہ وحشی درندے کی طرح اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہے۔ 7-اکتوبر کا دن اسرائیلی کیلنڈر پر سب سے بڑی عید قومی چھٹی کے طور پر منایا جاتا ہے، لیکن 2023ء کی اس عید پر فلسطین کے متوالوں نے اسرائیل کو ایک ایسا سرپرائز دیا جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ حماس کی جانب سے اسے ''طوفان الاقصیٰ'' آپریشن کا نام دیا گیا۔ اسرائیلی مظالم، طویل محاصرے اور مسجد الاقصیٰ کی بار بار بے حرمتی کے خلاف فلسطینیوں کے صبر کا پیمانہ ایسا لبریز ہوا کہ زمینی، سمندری اور فضائی حملوں سے اسرائیل کا سارا زعم خاک میں ملا دیا اور جس دیدہ دلیری سے اسرائیل پر تاک تاک کر حملہ کیا، اس سے مغربی ممالک کے سربراہان کے اندر بھی خوف کی لہر دوڑا دی۔

اسرائیل نے اس کا انتقام پہلے ہی پابندیوں، ناکہ بندیوں اور مظالم کا سامنا کرنے والے غزہ سے لیا اور اب تک لے رہا ہے۔ اس نے پوری وادی کو ملیامیٹ کر دیا۔ وہ ننھی روحیں بھی سفید لباس اوڑھ گئیں جن پر دشمن بھی ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتا ہے۔ کچھ غنچے بن کھلے ہی مرجھا گئے۔ کیا بچے، کیا خواتین اور کیا بوڑھے، کیا مسجد، عبادت گاہیں، کیا ہسپتال، اسکول اور کیا اخلاقیات کے خوشنما عالمی اصول، سب کی ایک ایک کر کے دھجیاں اڑا دی گئیں۔ اسرائیلی کبر و غرور کا پیکر مظلوموں کو پاؤں میں گر کر رحم کی بھیک مانگتے دیکھنا چاہتا تھا مگر نہ جانے کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں یہ! یہ لوگ تو خاک سے جی اُٹھے ہیں۔ ظلم جتنا زیادہ بڑھتا جاتا ہے یہ اپنے عزم میں مضبوط ہوئے جاتے ہیں۔ دشمن جتنا ان کی گردنیں خم کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہ اتنا ہی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے ہونے لگتے ہیں۔ ایک قابض، جارح اور ظالم کے خلاف یہ جنگ پوری فلسطینی قوم مل کر لڑ رہی ہے۔ اس میں عام شہری ہی نہیں، ان کے قائدین بھی آگے بڑھ بڑھ کر جانیں دے رہے ہیں۔

بدقسمتی یہ کہ ایک طرف امریکا، برطانیہ اور ان جیسی عالمی طاقتیں دھڑلے یا خفیہ انداز میں اسرائیل کے دفاع میں لگی ہیں تو دوسری جانب مسلم قوتوں کی اپنی اپنی مصلحتوں، مجبوریوں نے انھیں صرف مذمتی بیانات تک محدود کر رکھا ہے۔ شاید یہی حقیقت ہے جرات و استقامت تنہا ہوتی ہے۔ بدر کے میدان میں 313 پاکیزہ نفوس جب اللہ کی رضا کی خاطر اپنا سب کچھ وار کر آئے تھے تو اللہ کے سوا کوئی ان کا ساتھ دینے والا نہیں تھا مگر جیت انہی کا مقدر ٹھہری تھی جنہوں نے خود کو اللہ کے لیے وقف کر دیا تھا!

آج بظاہر جیسی بھی صورتحال ہو، نتیجہ وہی ہوگا۔ زخموں سے بدن سرشار ضرور ہیں مگر اُس طرف کے شکستہ تیر گنے جائیں تو خود ترکش والے گواہی دیں گے کہ بازی کون ہارا